کلامِ ٹیگور

رابندر ناتھ ٹیگور کی مختلف بنگلہ نظموں اور گیتوں کا اُردو ترجمہ

مترجم

پروفیسر ایم۔ ضیاء الدین

ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم

شعبۂ اُردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

کلامِ ٹیگور

رابندر ناتھ ٹیگور کی مختلف بنگلہ نظموں اور گیتوں کا اردو ترجمہ

مترجم

پروفیسر ایم۔ ضیاء الدین

ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم

شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Kalam-e-Tagore

Rabindranath Tagore

Translated by

Prof. M. Ziauddin

ISBN 978-93-5073-585-5

کتاب کا نام : کلامِ ٹیگور (رابندرناتھ ٹیگور کی مختلف بنگلہ نظموں اور گیتوں کا اردو ترجمہ)

مترجم : پروفیسر ایم۔ ضیاء الدین

اشاعت : فروری 2015

تعداد : ایک ہزار

تقسیم کار شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اشاعت برائے مفت تقسیم

Published by

Tagore Research & Translation Scheme

(Funded by: Ministry of Culture, Govt. of India)

Department of Urdu Jamia Millia Islamia, New Delhi-110025

Printed by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3191, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)

Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540

E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com

website: www.ephbooks.com

ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم

شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

سرپرست

پروفیسر طلعت احمد

وائس چانسلر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

پروفیسر وہاج الدین علوی	صدر شعبۂ اردو
پروفیسر شہزاد انجم	پروجیکٹ کوآرڈینیٹر
پروفیسر خالد محمود	ممبر
پروفیسر شہپر رسول	ممبر
ڈاکٹر سہیل احمد فاروقی	ممبر
ڈاکٹر ندیم احمد	ممبر

فہرست

☆☆☆

پروفیسر شہزاد انجم

حرف آغاز

پیش نظر کتاب ''کلام ٹیگور'' رابندر ناتھ ٹیگور کی مختلف نظموں اور گیتوں کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ نظمیں ٹیگور کے مختلف بنگلہ شعری مجموعوں میں شامل ہیں۔ اِن نظموں کا براہ راست بنگلہ سے اردو ترجمہ پروفیسر ایم ضیاء الدین، اُستاد شانتی نکیتن نے ٹیگور کی زندگی میں ہی کیا تھا۔ جس کی پہلی اشاعت ۱۹۳۵ء میں وشوا بھارتی بک شاپ، کلکتہ سے ہوئی تھی۔ کتاب کے آغاز میں پروفیسر ایم ضیاء الدین نے بطور ''تمہید'' ٹیگور کی شاعری کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ بیش قیمت ہے۔ میرا خیال ہے کہ ٹیگور کی شاعری کی روح تک اُردو کے جن ادبا کی رسائی ہوئی ہے اُن میں اہم ترین نام ایم ضیاء الدین کا ہے۔ ضیاء الدین صاحب بنگلہ ادب و تہذیب، شاعری و ثقافت کا گہرا درک رکھتے تھے۔ شعری محاسن اور فنی رموز و نکات سے وہ بخوبی واقف تھے۔ شاعری کی روح میں اتر کر وہ بیش قیمت موتیوں کو چُن کر ہمارے سامنے یوں لاتے ہیں کہ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ آیا ایم ضیاء الدین بنگلہ زبان کے بڑے ادیب تھے یا اُردو زبان کے۔ ضیاء الدین صاحب کا اردو کا اسلوب نہایت ہی شستہ، دلنشیں، دلآویز اور سحر انگیز ہے۔ اس ترجمے میں ٹیگور کی ۱۲۰ نظمیں شامل ہیں جو ٹیگور کے سامنے ترجمے کے بعد پیش کی گئی تھیں اور ٹیگور نے انھیں پسند بھی فرمایا تھا۔

پروفیسر ایم ضیاء الدین ''تمہید'' میں لکھتے ہیں:

''ان ترجموں میں اصل زبان کے شعری محاسن موجود نہیں، الفاظ کا وہ ترنم موجود نہیں، وہ

فصاحت نہیں، بلاغت نہیں، وہ الہامی آمد اور روانی نہیں، ترکیبوں کی وہ حیرت انگیز برجستگی اور سادگی نہیں۔ میرے ترجمے شاعر کی شاعری کے صرف معنوی پنجر ہیں۔ ان میں اصل زبان کا گوشت پوست، زندگی، جوانی اور حسن نہیں، میں انھیں شاعر کے کلام کا نمونہ نہیں کہہ سکتا۔ ان ترجموں میں میں نے اصل بنگالی اشعار کے معانی کو سادہ اردو میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے زیادہ اگر کسی چیز کا عکس ان ترجموں میں جھلکتا دکھائی دے تو وہ اصل بنگالی اشعار کی روح کا پرتو ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے ترجموں میں یہ پرتو ایک حد تک موجود ہے۔ اگر ناظرین نے اسے پالیا تو میں سمجھوں گا کہ میرے ترجمے کامیاب ہوئے ہیں۔'' (کلام ٹیگور، صفحہ ۱۶)

پروفیسر ایم ضیاء الدین کی تمہید میں مختلف جگہوں پر حد درجہ عجز وانکسار پایا جاتا ہے کہ ان نثری ترجموں میں وہ خوبیاں موجود ہیں جو ٹیگور کے بنگلہ کلام میں موجود ہے۔ ضیاء صاحب اِن ترجموں کو شاعر کے کلام کا خاکہ بھی تصور نہیں کرتے جو سادگی، تازگی، برجستہ پن، بے ساختہ پن، معانی کی نزاکت اور بلندی، بیان کی روانی، الفاظ کے حسن انتخاب، موزونیت، ترنم، سُر تال کی نُدرت اور دلکشی شاعری وموسیقی کا لاجواب نمونہ، ٹیگور کے اصل بنگلہ گیت میں ہیں۔ بہر حال یہ نثری ترجمہ ٹیگوریات کے اُردو اثاثے میں بیش بہا اضافہ ہے۔ اس ترجمے کے حوالے سے مختلف مواقع پر ''ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم'' کے جلسوں میں ذکر ہوتا رہا۔ برادرم خان احمد فاروق استاد شعبۂ اردو حلیم ڈگری کالج کانپور نے سب سے پہلے ہمیں اس کتاب کی فوٹو کاپی فراہم کرائی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود پایا گیا۔ تلاشِ بسیار کے بعد شعبہ کے لائق ریسرچ اسکالر شاہ نواز فیاض نے ۱۹۳۵ء کی مطبوعہ یہ کتاب میرے سامنے پیش کی۔ محبّی ڈاکٹر کوثر مظہری صاحب کا یہ اصرار تھا کہ ''ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم'' کے زیر اہتمام اس کتاب کی اشاعت ثانی ضرور عمل میں لائی جائے۔ اس سلسلے میں صدر شعبۂ اردو پروفیسر

وہاج الدین علوی صاحب کی صدارت میں ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم شعبۂ اردو کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس اسکیم کے ممبران پروفیسر خالد محمود، پروفیسر شہپر رسول، ڈاکٹر سہیل احمد فاروقی، ڈاکٹر ندیم احمد نے کتاب کی انفرادیت اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ ''کلام ٹیگور'' کی اشاعت ثانی ضرور ہو۔ کتاب کی اشاعت کی باقاعدہ منظوری کے لیے ہم نے ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر طلعت احمد صاحب کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کی جسے انھوں نے بخوشی قبول کرلیا۔ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر اس کتاب کی اشاعت مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے نہیں ہوسکی۔ میری درخواست پر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی کی مدد سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوسکی ہے اور اب یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔

''کلام ٹیگور'' کی شاعری رابندر ناتھ ٹیگور کے لطیف جذبات و احساسات کی قلمی تصویریں ہیں۔ یہ دل کی آوازیں ہیں جو بے ساختہ لفظوں کے قالب میں ڈھل کر صفحۂ قرطاس پر بکھر گئی ہیں۔ وہ کسی فکر و فلسفے کو سلجھانے یا اُلجھانے کا کام نہیں کرنے بلکہ اُن کے دل پر جو کچھ گزرتی ہے وہ اسے بے ساختگی اور معصومیت سے رقم کردیتے ہیں جس کی نغمگی اور سرور میں قاری محو ہو جاتا ہے۔

میں اُن تمام احباب اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں نیک مشورے دیے اور اس کی اشاعت کے لیے راہ ہموار کی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر طلعت احمد صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُن کا بھرپور تعاون ہمیں حاصل ہے اور اُن کی سرپرستی میں اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوسکی۔

وزارتِ ثقافت حکومت ہند کے مالی تعاون کا شکریہ ہم پر واجب ہے جن کے مالی تعاون سے ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم، شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے ٹیگور کے تعلق سے اب تک اردو میں دس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ وزارتِ ثقافت حکومت ہند

اور شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کا یہ تاریخ ساز کارنامہ ہے اور ادب وثقافت نوازی کی بڑی مثال بھی ہے۔

ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم کے زیر اہتمام "کلام ٹیگور" کی اس اشاعت سے یقیناً ٹیگور فہمی کا دائرہ وسیع ہوگا۔

پروفیسر شہزاد انجم
استاذ شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
کوآرڈینیٹر، ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم

تمہید

جان ودل است صورت و جسم لطیف تو،

روح مجسمی و حیات مصوری!

شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے چند گیتوں اور نظموں کا یہ اردو ترجمہ ان کی شاعری کا نمونہ پیش کرنے کا مدعی نہیں۔ اور نہ یہ مختصر سا مجموعہ شاعر موصوف کے کلام کا انتخاب سمجھنا چاہیے۔ ٹیگور کے صرف گیتوں ہی کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے۔ اور کل منظوم کلام ان کا پندرہ ضخیم جلدوں میں سماتا ہے۔ (بنگالی نثر منظوم کلام سے کچھ کم ہے اور انگریزی تصنیفات بنگالی نثر کے نصف کے قریب) شاعر کا سلسلۂ تصنیفات ابھی جاری ہے۔ میرے ترجموں میں زیادہ تر وہ گیت شامل ہیں جو شانتی نیکیتان میں اکثر گائے جاتے ہیں، اور نظمیں شاعر کی مختلف بنگالی تصانیف میں سے لی گئی ہیں۔

اصل بنگالی میں ان گیتوں میں سے ہر ایک اپنی سادگی، تازگی، برجستہ پن، بے ساختہ پن، معانی کی نزاکت اور بلندی، بیان کی روانی، الفاظ کے حسن انتخاب، موزونیت، ترنم اور سُر تال کی ندرت اور دل کشی میں شاعری اور موسیقی کا لاجواب نمونہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ان اردو نثری ترجموں میں ان تمام خوبیوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ شاعر کے کلام کی ظاہری خوبیاں، اشعار کی آمد اور سلاست، خلوص بیان، سروں کی دل نشین آمیزش میں ترجمہ کہاں سے لاؤں؟ میں ان ترجموں کو شاعر کے کلام کا خاکہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ شاعر کے اشعار کے معانی میری نثر میں کہاں تک سما سکے ہیں اور کہاں کہاں سے

ترجمہ کی گرفت میں آنے سے صاف بچ گئے ہیں، شاید مجھ سے بہتر کسی پر واضح نہیں۔ ان ترجموں میں اصل زبان کے شعری محاسن موجود نہیں، الفاظ کا وہ ترنم موجود نہیں، وہ فصاحت نہیں، بلاغت نہیں، والہامی آمد اور روانی نہیں، ترکیبوں کی وہ حیرت انگیز برجستگی اور سادگی نہیں۔ میرے ترجمے شاعر کی شاعری کے صرف معنوی پنجر ہیں۔ ان میں اصل زبان کا گوشت پوست، زندگی، جوانی اور حسن نہیں، میں انھیں شاعر کے کلام کا نمونہ نہیں کہہ سکتا۔ ان ترجموں میں میں نے اصل بنگالی اشعار کے معانی کو سادہ اردو میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے زیادہ اگر کسی چیز کا عکس ان ترجموں میں جھلکتا دکھائی دے تو وہ اصل بنگالی اشعار کی روح کا پرتو ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے ترجموں میں یہ پرتو ایک حد تک موجود ہے۔ اگر ناظرین نے اسے پالیا تو میں سمجھوں گا کہ میرے ترجمے کامیاب ہوئے ہیں۔

ٹیگور کی شاعری کی مابہ الامتیاز خصوصیت اس کا بے ساختہ پن ہے۔ کسی مسئلے کو سمجھانے کے لیے یا کسی حکیمانہ معمے کو سلجھانے کے لیے وہ شعر نہیں کہتے۔ دل میں جو کچھ گزرتا ہے وہ شعر ہو کر ادا ہو جاتا ہے۔ یہ شعر کسی بنیادی حقیقت اور کائنات کے سربستہ راز کو فاش کر دینے کی غرض سے زبان پر نہیں آتا۔ نہ اس کا مقصد کوئی علمی حقیقت یا مفید مطلب اخلاقی نصیحت بیان کرنا ہوتا ہے۔ ایک بیتاب آنسو یا بے اختیار مسکراہٹ کی طرح شعر دل کی کیفیت کی تصویر ہوتا ہے۔ اگر فلسفہ یا مذہب ان اشعار میں اپنے مفید مقصد کسی حکمت یا معرفت کو موجود پائے تو تعجب کی بات نہیں، مگر شعر کی اپنی زندگی کا مقصد الگ ہے۔ ٹیگور کے اشعار پر طرہ ہے ان کی موسیقی۔ نغموں کی سُریں اپنے الفاظ اور جملوں کی ترکیبوں سے اپنی اہمیت الگ رکھتی ہیں۔ سُریں روح کی طرح ہیں، اپنی ذات میں الفاظ کی بندشوں سے آزاد اور مستغنی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ الفاظ جہاں اپنی معنوی حدود تک پہنچ کر خاموش ہو جاتے ہیں، سُر وہیں سے اپنی پرواز شروع کرتی ہے۔ اس کی دسترس ناممکن تک ہے، اس کی رسائی اُس عالم تک ہے جہاں الفاظ کا اپنی معنوی پرواز میں پہنچنا قطعاً محال ہے۔ جس

طرح ترجمہ موسیقی کو ادا کرنے سے قدرتاً معذور ہے، وہ شعر کی بے ساختہ شعریت کو بھی ادا کرنے سے فطرتاً قاصر ہے۔ ہتھیلی پر پانی کا قطرہ محبوبہ کی پلک کی نوک پر تھرتھراتے ہوئے آنسو کا نقشہ نہیں کھینچ سکتا۔ اگر کسی مبہم سے ترنم کا میرے ترجموں سے آپ کو شبہ سا ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے ناممکن کو پا لیا۔

ٹیگور کی وہ خصوصیت جو مجموعی طور پر ہم ان کے کلام میں موجود پاتے ہیں ان کی بے مثل شخصیت ہے۔ شاعر کے مذہبی مقالات میں، سیاسی اور معاشرتی تحریرات میں ادبی مضامین میں، ڈراموں اور ناولوں میں، ان کے اشعار میں ہم انھیں کی بے نظیر شخصیت کو نغمہ سراپاتے ہیں۔ یہ شخصیت حیرت انگیز طور پر شاعرانہ، حکیمانہ اور روشن واقع ہوئی ہے۔

ٹیگور ہم انسانوں میں انسانی آزادی کا علمبردار ہے۔ غلامی اور جہل وحقارت کی گود میں پلی ہوئی موجودہ تہذیب وتمدن کی دنیا میں ٹیگور آزادی فکر وعمل اور باہمی صلح ومحبت کا پیغامبر ہے۔ ان کی تحریروں میں ہمیں وہ مجاہد برسرپیکار نظر آتا ہے جو شعر واستدلال کی دو دھاری تلوار سے مسلح ہو کر نوع انسانی کو خوف اور غلامی سے نجات دلانے کی خدمت پر مامور ہو کر آیا ہو۔ غلامی فکر، غلامی نسل وقومیت، غلامی مذہب وملت سے انسان کو آزاد کرنے کے لیے دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ ٹیگور کی زندگی فرسودہ وبے معنی رسم ورواج اور مردہ وبوسیدہ مذہبی توہمات کے کٹھن بندھنوں کو کاٹتے گئی ہے۔

شعر وشاعری کی دنیا میں ٹیگور نے ایسا انقلاب پیدا کیا ہے جس کی مثال تاریخ میں موجود نہیں۔ اور نہ کسی شاعر نے آج تک دنیا سے خراج تحسین اس طرح حاصل کیا تھا جس طرح ٹیگور نے۔ بنگالی شاعری کی عروض سنسکرت سے لی گئی تھی۔ سنسکرتی عروض میں خفیف اور ثقیل ماتروں کی ترکیب سے بحر کے اصول بنتے تھے۔ بنگالی زبان میں سرے سے خفیف ماترا ہی موجود نہ تھا اور ہر حرف ثقیل ماترے کا ہم وزن تھا۔ شاعر اس بنیادی اختلاف کو سنسکرتانہ بنگالی میں شعر کہہ کر مٹاتے آئے تھے۔ یعنی ان کے یہاں بھی وہی: شمار سبحہ

مرغوب بت مشکل پسند آیا، والا معاملہ تھا۔ ٹیگور نے اس سنسکرتی عروض کی زنگ خوردہ زنجیر کی کڑیوں کو کاٹا، اور بنگالی ادب کو آزاد کیا جو مدتوں سے ان میں بندھا پڑا تھا۔

موسیقی میں استادوں نے نغمہ کی روح کے پر کاٹ کر اس کے پاؤں میں راگ راگنیوں کے قواعد کی بیڑیاں ڈال دی تھیں، ٹیگور نے اس نغمہ کی روح کو پھر آزاد کیا اور اپنے گیتوں میں اسے کھلی پرواز کی اجازت دی۔

مروجہ تعلیم کے دستور میں قدرت سے انسان کی یگانگت کے احساس و عرفان کو کوئی جگہ حاصل نہیں، ٹیگور نے اس احساس کی تربیت کو تعلیم کا اعلیٰ مقصد قرار دیتے ہوئے، قدرتی ماحول، زمین و آسمان، موسموں اور نباتاتی زندگی سے براہ راست تعلق اور بود و باش کی سادگی کو طالب علم کے لیے قطعی قرار دیا۔

ہندوستان کی آزادی کے لیے جس ہندو مسلم اتحاد کو لیڈر ملک کی سیاسی ضرورت کی بنا پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے، شاعر نے اسے طمع خام اور منافقت ٹھہراتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کے لیے اُس فطری رشتہ اور وجودی وحدت کے احساس کو لازمی قرار دیا جو انسانوں میں انسانی ہمدردی، یگانگت اور محبت کا سرچشمہ ہے۔ انسانیت کے اس فطری مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ٹیگور نے ہر قوم و ملت کو ہر دوسری قوم و ملت سے بحیثیت انسان کے ملنے اور متحد ہونے کی استدعا کی ہے۔ اسی عالمگیر صلح و آشتی اور بین الملّلی تبادلۂ علمی کا مرکز شانتی نکیتان میں قائم کیا ہے۔

ٹیگور نے ملک کے افلاس کو وطنی صنعت و حرفت اور دستکاری کی بربادی، شہروں کی بڑھتی ہوئی اہمیت اور دیہاتوں کی کسمپرسی اور مروجہ تعلیم کی بیہودگی کی طرف منسوب کیا ہے اور دیہاتوں کی تجدید، دیہاتیوں کی صحت، تعلیم اور زراعت و دستکاری کی تجدید اور ترقی، اور انہی مقاصد کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور تبلیغ اور ترویج کا مرکز سری نکیتان میں (شانتی نکیتان کے قریب) قائم کیا۔

ظاہر ہے کہ ٹیگور سے عملی شاعر اور مفکر کی مثال پیدا کرنا مشکل ہے۔ دنیا میں ٹیگور نے ہر قوم وملت کو اپنی حدود اور اپنی فرقہ بندی سے گزر کر مذہب وملت کی ان بندشوں کو توڑ کر جو انسان کو انسان سے نفرت دلاتی ہیں اور الگ رکھتی ہیں، ایک دوسرے سے محض انسانیت کے پایہ پر کھڑے ہو کر ملنے کی تعلیم دی ہے۔ ٹیگور نے انسان میں انسانیت کے خدا کو دیکھا ہے، اسی لیے اس کی توہین وہ کسی رنگ میں برداشت نہیں کر سکتے۔

ٹیگور کی عظمت کا سنگ بنیاد، اُن کی لاثانی شخصیت کا مدار وہ نغمہ ہے جو انھوں نے اس حسین دنیا کے تن بدن میں حسن وسرور کی روح پھونکنے والے، شاعر کائنات، محض حسن، محض سرور کی مدح وثنا میں گایا ہے۔ اور ٹیگور نے وہ گیت سنے ہیں جو مغنی فطرت اپنے قدرتی مظاہر میں ہمیشہ سے گائے جا رہا ہے۔ ٹیگور کا دل ودماغ انہی قدرتی گیتوں کی لاجواب سروں سے گونج رہا ہے، اور وہ خود مجسم سرور اور نغمہ ہو کر گاتا ہے۔ ٹیگور کا معبود اور معشوق وہ شاعر اور مصور ہے جو اس کی زندگی میں لطف اور سرور اور غم واندوہ کی سریں پھونک رہا ہے، اس کی زندگی میں عجیب وغریب کیفیات کے رنگ بھر رہا ہے۔ شاعر اس کے عشق میں اور اسی کے حسن کو قدرت میں دیکھ کر اس کی تعریف میں نغمہ سرا ہے۔ اور اس کے گیتوں کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہ صرف اس زمانہ میں بے مثل ہیں، بلکہ ہر زمانہ میں اپنے حسن کے لحاظ سے کمیاب رہیں گے۔

ایشیا کا مخصوص عرفان، اپنشدوں کا گیان جو رشیوں کی خصوصیت تھا وہ عصر حاضر کی آزادی اور جدید علمی تحقیقات اور فلسفیانہ حقائق کی روشنی سے مل کر ایک حیرت انگیز عرفانی موزونیت کی صورت میں ہم ٹیگور میں موجود پاتے ہیں۔ جب کہ ٹیگور موجودہ زمانہ کے مہذب ترین اور روشن ترین دل ودماغ کا مالک ہے۔ وہ اس دولت کا بھی پورا پورا وارث ہے جو قدیم زمانوں سے ہر مذہب وملت کا سرمایۂ عرفان رہی ہے۔ ٹیگور انسانوں میں ہمہ گیر انسان ہے، شاعروں میں بے نظیر شاعر اور ہمارا یہ عہد ٹیگور کا عہد ہے۔

ٹیگور کی پیدائش کا زمانہ (۱۸۶۱ء) انقلاب کا زمانہ تھا۔ اور یہ ٹیگوروں کا گھرانا تھا

جس میں انقلاب نے جنم لیا۔ ان کا خاندان مذہب اور فنون لطیفہ میں مختلف تحریکوں کا پرشور مرکز تھا۔ ٹیگور کے والد، مہارشی دیبندر ناتھ ٹیگور، برہمو سماج، یعنی ہندوؤں میں خالص موحدوں کے نئے مذہب کے سربرآوردہ راہبر تھے۔ موسیقی اور مصوری میں بھی یہی خاندان بنگال میں پیش پیش تھا۔ ٹیگور گھرانے کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے فنون لطیفہ سے پوری طرح بہرہ ور تھا۔ ٹیگور کے والد حافظ کے دلدادہ تھے۔ ان کی بنگالی سوانح عمری میں حافظ کے اشعار جا بجا زینت کلام نظر آتے ہیں۔ ابھی تک ٹیگور خاندان کے لباس میں اور آداب نشست و برخاست اور طریق بود و باش میں مسلمانوں کی عادات اور آداب مجلس کا رنگ باقی ہے۔ اس خاندان کو مسلمانوں سے خاص کر مناسبت رہی ہے۔ کچھ تو اسی سبب اور کچھ اسی گھرانے کی آزاد اور پیغمبرانہ مزاج کے باعث، ہندو اس خاندان کو ہندو نما مسلمان اور ''دہریوں'' کا گھر سمجھتے رہے ہیں۔ بالآخر اسے ذات برادری سے باہر ہونے کا بھی امتیاز حاصل ہوا اور وہ آزادی بھی اسے نصیب ہوئی جو کسی فرقہ اور ذات پات کے اندر رہتے ہوئے نصیب نہیں ہوتی۔

علاوہ اس آزاد خیالی اور فرقہ پرستی سے بری ہونے کے، ٹیگور اپنے بچپن کے ماحول کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں ہمارے گھر میں موسیقی کی ایک آبشار سی آ کر گری تھی۔ اور دن رات اس کی قوس قزح کی سی رنگینیاں ہمارے دلوں میں منعکس ہوتی تھیں۔ تب اس جوانی کی تر و تازگی کے عالم میں، ہماری نو خیز قوت اپنے معصومانہ تعجب و تجسس کے بل بوتے پر ہر پہلو نئی راہیں نکالتی چلی جاتی تھی۔ ہمارا دل چاہتا تھا ہم ہر چیز کو خود دیکھیں بھالیں، اسے پرکھیں، اور کوئی کمال ہمیں ایسا نظر نہ آتا تھا جسے حاصل کرنا ناممکن ہو۔ ہم لکھتے تھے، گاتے تھے، ڈرامے ایکٹ کرتے تھے، ہر جانب اپنا رنگ ہر پہلو اپنی طبیعت کی جدت دکھاتے تھے......''

ظاہر ہے کہ ٹیگور نے جس ماحول میں تربیت پائی وہ آزاد اور خودسر تھا۔ اس آزاد فضا میں ٹیگور کے لیے اس کی شاعری کا معیار اس کی اپنی ذات کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا؟ پہلی بدعت جس کو بنگالی ادیب میں خاص کر ٹیگور نے فروغ دیا وہ اپنی مادری زبان میں شعر کہنا تھا۔ ٹیگور سے قبل بنگالی ادب نظم و نثر سنسکرتانہ رنگ میں لکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں سنسکرت ترکیبیں اور الفاظ، مرزا غالب کی ابتدائی اردو غزلوں اور ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں فارسی اور عربی الفاظ سے کہیں زیادہ ہوتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ بنگالی تحریر سراسر سنسکرت ہوتی تھی، اور

دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار،

آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے

کا بنگالی نمونہ، اور صرف فعل کہیں کہیں اصل بنگالی زبان کی یاد دلاتا تھا، بنگالی عروض بھی (ہماری اردو عروض کی طرح) ایک غیر زبان یعنی سنسکرت کی عروض تھی۔ اسی مجبوری کے سبب بنگالی شاعری سنسکرت کی محض نقالی تھی۔ ٹیگور اپنے بچپن کے حالات میں لکھتے ہیں:

> ''عروض کے قواعد، الفاظ کے استعمال اور اظہار خیالات کے میدان میں میں نے اپنے آپ کو بے لگام تخیل کے حوالہ کر دیا تھا۔ تب فاضل نقادوں نے مجھ پر سخت چوٹیں کیں اور مذاق اڑانے والوں نے فلک دوز قہقہے لگائے۔ میری کم سوادی اور بے راہروی نے مجھے ادبی مجرم بنا دیا۔ جب میں نے شعر کہنا شروع کیا میں مضحکہ انگیز طور پر چھوٹا تھا۔ انگریزی دانی کا مجھے تمغہ حاصل تھا نہ عمر کی سند.....''

> ''دل کی خوشی کے چڑھتے ہوئے سیلاب کے ریلے کے سامنے بندھی بندھائی عروض کی بحریں اور وزن اپنی جڑیں زمین میں سنبھال کر نہ رکھ سکے۔ اور جس طرح ندی سیدھی راہ نہیں بہتی، اپنی ترنگ میں گھومتی چکر کاٹتی چلی جاتی ہے، میرے اشعار کے بہاؤ میں بھی یہی خودسری تھی۔''

کسی دوسری جگہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''ہماری مادری زبان کی شاعری کی دیوی کی آنکھوں کے آنسو اور اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ، سنسکرتی عروض کی مرصع نقاب کی آڑ میں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ہم بھول ہی گئے تھے کہ اس کی سیاہ آنکھوں کی نگاہ کتنی معنی خیز اور دل نشین ہے۔ مجھ سے جہاں تک بن آیا میں نے اس پردہ کو بیچ میں سے ہٹا دینے کی کوشش کی۔ ادبی رسوم کے گرویدہ مجھے کوستے رہیں گے، مگر مجھے ان کی پرواہ نہیں۔ اس قدیمی گھونگھٹ کی بیش بہا قیمت اور اس کی کاردوزی کی عمدگی کی تعریف وہ جس قدر چاہیں کریں، مجھے جس چیز کی تلاش ہے وہ اس پردہ کی اوٹ میں چھپی ہوئی سیاہ آنکھوں کی ہے۔ ان میں آپ حسن کی وہ دولت پائیں گے جو بازار کے فاضلانہ ادب کی شرح نرخ سے باہر ہے۔''

باوجود ان تمام تبدیلیوں کے جو ٹیگور نے بنگالی شاعری میں پیدا کیں، انھوں نے سنسکرت شاعری کی ان بنیادی خوبیوں کو جانے نہیں دیا جو بنگالی ادب کی روح میں شامل ہو چکی ہیں۔ لیکن ہر قسم کی غیر ضروری صنعتوں اور تلمیحات کو یک قلم اڑا دیا ہے۔

جب کہ شاعری کی ظاہری شکل وصورت میں ٹیگور نے یہ انقلاب پیدا کیا، اپنی شاعری کی معنوی دنیا بھی انھوں نے الگ قائم کی۔ یہی سبب ہے کہ کسی دوسرے شاعر سے ٹیگور کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ ٹیگور اپنی شاعری کے عالم کا خالق ہے۔ اور اس عالم میں اپنا مثیل نہیں رکھتا۔ اس معنوی تخلیق کا اندازہ ٹیگور کے کلام کے مطالعہ کیے بغیر ممکن نہیں۔ شاعر کا اپنا کلام ہی اس کی تخلیق کی مثال پیش کر سکتا ہے۔ لیکن اس انقلاب کی مثال دی جا سکتی ہے جو ٹیگور نے موجودہ شاعری کی کائنات میں پیدا کیا ہے۔ مثلاً اگر فارسی شاعری سے، رقیب کی رقابت، عاشق کی رسوائی، معشوق کی جفا اور بے وفائی، معشوق کا بالائے بام آنا اور شہر میں قتل عام ہو جانا، خلاف فطرت مبالغہ، عاشق کا ہجر کی تکلیف میں سوکھ کر کانٹا سا ہو جانا، معشوق کا خدا ہونا (بجائے خدا کے معشوق ہونے کے)، معشوق کا اپنے حسن میں

حسن قدرت سے بڑھ چڑھ کر ہونا، مجنوں یا فرہاد کے عشق کو اپنے عشق کے مقابلہ میں گرد برابر سمجھنا، شیخ کی پگڑی اچھالنے میں لطف اٹھانا، مذہب کی توہین اور رندی کی تعریف کرنا وغیرہ وغیرہ نکال دیا جائے تو جس قسم کا تغیر ہماری شاعری میں پیدا ہوگا، اسی قسم کا لیکن اس سے کہیں وسیع تر تغیر ٹیگور نے بنگالی شاعری میں پیدا کیا ہے۔ ٹیگور کی شاعری سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک نئی شاعری کی دنیا میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ جہاں شاعری آزاد ہے اور پرانی بندشوں کی یاد تک باقی نہیں۔ اس آزاد شاعری کے عالم میں قدیمی زنجیروں کی جھنکار سنائی نہیں دیتی، صرف دل کے تار تھرا اٹھتے ہیں۔ مقلد بھی ایسے اشعار سن کر وجد میں آجاتے ہیں اور اپنی ہتھکڑیاں بجانے لگ جاتے ہیں۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، مہذب حلقوں میں عوام کی جیتی جاگتی روزمرہ زبان میں شعر کہنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ 'ویشنوی' اور بنگالی 'باؤل' فقیروں کے گیت مہذب حلقوں میں حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ٹیگور نے دیکھا کہ عوام کی شاعری یہی ہے اور یہ مہذب اور مردہ سنسکرتی شاعری کے مقابلہ میں زندہ تر اور پاکیزہ تر ہے۔ اس فقیروں کی بے ساختہ شاعری میں سنسکرت کا پرچھاؤں تک نہیں پڑا اور سادہ الفاظ میں بلند نظری اور دقت معنی کے لحاظ سے یہ مہذب حلقوں کی مصنوعی شاعری سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہی شاعری اور یہی موسیقی کی باؤل طرز بنگالی زندگی کی روح رواں ہے۔ ٹیگور نے سب سے پہلے اسی قسم کی زبان اور طرز میں شعر کہنا شروع کیے۔ اور اپنی پہلی تصنیف (دیوان) تیرہ برس کی عمر میں شائع کی۔ شاعر اگر اس کتاب کو اپنے نام پر شائع کرتا تو اس کی واقعیت کا کسی کو یقین نہ آتا۔ لہٰذا اس نے اسے 'بھان سنگھ' کے مخفی نام پر شائع کیا۔ اور اس گمنام قدیمی شاعر بھان سنگھ کی شاعری کی تعریف میں لوگوں نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے!

ٹیگور میں سر تال کی حس نہایت ہی تیز اور نازک واقع ہوئی ہے۔ ان کی موسیقی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے گانوں میں سُر الفاظ اور معانی کے متناسب ہوتی ہے، بڑھنے نہیں

پاتی۔ یعنی، ان کے گانوں میں 'بول بڑھانا' یا 'الاپ' موجود نہیں۔ جبکہ ہندوستانی (کلاسیکل) موسیقی میں الاپ، سروں سے کھیلنا، طرز کی شرح کرنا خصوصیت کے ساتھ شامل ہے، ٹیگور کے نغموں میں سریں گانے کے الفاظ اور معانی سے متجاوز نہیں ہوتیں۔ یعنی، ان کے گانوں میں موسیقی اور شاعری دونوں تلے ہوئے اور متوازن ہیں۔ الفاظ کے ترنم کو 'سُر بازی' پر قربان نہیں کیا جاتا۔ دوسری خصوصیت ٹیگوری موسیقی کی یہ ہے کہ وہ راگ راگنی کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ ان کے گانے مختلف راگ اور راگنیوں کی ترکیب سے بنے ہیں، جن میں بعض جگہ یورپی موسیقی کی طرزیں بھی موجودہ ہیں۔ سُروں کی ترکیب شعر کے الفاظ اور اس کی بحر سے متناسب اور موزوں ہوتی ہے۔ شاعری کی بارگاہ میں ٹیگور کا یہ پیشکش نہایت ہی اہم حیثیت رکھتا ہے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ٹیگور کے گیتوں میں سریں گیت کے معانی سے ہمنوا اور ہم آہنگ ہوتی ہیں، گویا معانی سے خود بخود پیدا ہوتی ہیں۔ سر کا معنی کے ہم آہنگ ہونا، یعنی 'بھاؤ' ٹیگور کے گیتوں کی روح رواں ہے۔ ایک بے انتہا سرور اور حسن کا خزان ہے جو اپنی رنگینیوں میں اور تعجب انگیز خوش آفرینیوں میں نمودار ہوتا ہے۔ ٹیگور کی شاعری ایک بے بدل شاعر کی موسیقار طبیعت کی نغمہ سرائی ہے۔ ملہمانہ شاعری کی بے عیب اور مکمل مثال۔

ٹیگور سنسکرت شاعری کی پائیدار خصوصیات کا جامع ہونے کے علاوہ ان تمام اوصاف سے بھی متصف ہے جو یورپی شاعری کا خاصہ ہیں۔ ٹیگور میں کلاسیکل شاعری اپنے عہد سے گزر کر عصر جدید کی شاعری کے معراج کو پہنچتی ہے۔ اس قسم کا انقلاب اور ارتقا کسی ایک شاعری کی ذات سے آج تک منسوب نہیں کیا جاسکا۔ جب کہ ٹیگور قدیم شعرا کا ہم پلّہ ہے معاصرین کا سرتاج بھی وہی ہے۔ اکثر زبانوں کے شعرا ٹیگور کی شاعری سے بے حد متاثر ہوئے ہیں۔

اردو شاعری فارسی (عربی) عروض کی پابند ہے۔ اگر چہ یہ بندش اب شعرا کو ناگوار محسوس ہوتی ہے، اور فارسی ترکیبوں کے استعمال کی مجبوری اور قافیہ و ردیف کی پابندی

شاعری کی راہ میں نا قابل برداشت رکاوٹ ثابت ہوئی ہے، سوائے اس کے چارہ نہیں کہ کسی ایسے مہدی کا انتظار کریں جو ہمیں ان بندشوں سے آکر نجات دلائے اور اپنی مادری زبان میں آزادی کے ساتھ شعر کہنے کی راہ بتائے۔ اردو ادیبوں پر جس چیز کا سب سے زیادہ اثر ہوا ہے وہ ٹیگور کی انگریزی گیتانجلی ہے۔ اس اثر کے نتائج زیادہ تر وہ نثری نظمیں ہیں جو رسائل اور اخبارات میں 'ادب لطیف' اور 'ادب جمیل' وغیرہ عنوانوں کے ماتحت شائع ہوتی ہیں۔ ہمارے شعرا میں شاید حضرت جوش ملیح آبادی سب سے زیادہ ٹیگور کے رنگ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ٹیگور کے رنگ میں شعر کہنے کے لیے جس زبان اور جس عروض کی ضرورت ہے وہ ہمارے یہاں ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کوشش نا کام ثابت ہوئی ہے۔ علاوہ ان مشکلات کے ٹیگور کا رنگ ذاتی ہے، بے حد شخصی، ان کی طرز کی تقلید کسی سے بن نہ آئے گی۔ جس چیز کی تقلید ہمارے ادب کے لیے واقعی مفید ہو سکتی ہے وہ ٹیگور کی اس روش اور اس سلوک کی تقلید ہے جو انھوں نے بنگالی ادب کے ساتھ کیا ہے۔ ہمیں ٹیگور کے انقلابی پہلو کی تقلید کرنا چاہیے اور ادبی روش اور طرز ہر ادیب کی ذاتی اور شخصی ہونی چاہیے۔ طرز میں تقلید ادیب کی خودکشی کے مترادف ہے۔ ٹیگور کا رنگ اس کے ذاتی عرفان کا عکس ہے۔ ہر ادیب کی روش اس کی شخصیت کی آئینہ دار ہونی چاہیے۔ جس چیز کی کمی ہے وہ ہمارے یہاں آزادی کی تربیت اور مظاہر قدرتی کی روح فہمی ہے۔ یہ چیزیں نہ ہماری مروجہ تعلیم ہمیں دیتی ہے اور نہ ہمارا معاشرتی ماحول۔ بہر حال اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ ٹیگور کی تقلید بالآخر ہمارے ادب میں اظہار خیالات کی نئی اور آزاد راہیں پیدا کرے گی۔ آمین!

۲۲ر فروری ۱۹۳۵ء

ایم ضیاء الدین

۱
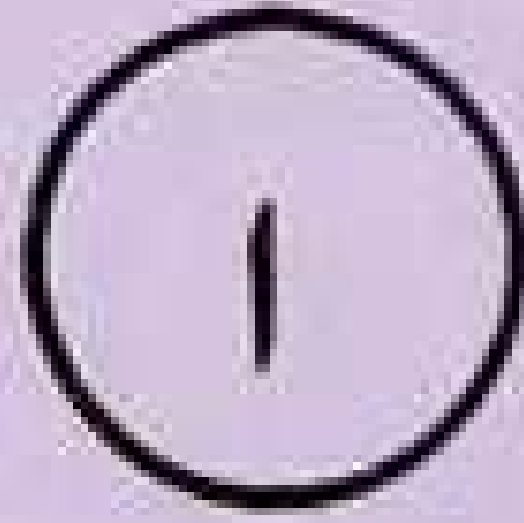
صبح کا یہ روح پرور منظر شبنم سے شرابور ہے۔
درخت دریا کے کنارے آفتاب کی کرنوں میں جھلملا رہے ہیں!
شاخوں میں شاخیں ڈالے خوشی سے متوالے ہیں!
جبھی میں سمجھتا ہوں۔
یہ دنیا عالم خیال کے بیکراں سمندر کی موجوں پر ایک ناچتا ہوا کنول ہے!
میں سمجھتا ہوں—
میں اسی کا پیغام ہوں!
میں اسی کے نغمہ کی تان ہوں!
میں زندگی میں روحِ زندگی ہوں!
میں ظلمت کے سینہ کو چاک کر کے نکلنے والے اُسی رقصاں نور کی درخشاں کرن ہوں!

□□□

(بولاکا)

۲
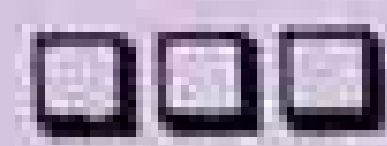
آسمان جگمگاتے ہوئے ستاروں سے بھرا ہے!

اور یہ دنیا نشاۂ زندگی سے سرشار ہے!

مجھے اس آسمان کے زیر سایہ اس دنیا میں ایک گوشہ قیام کے لیے ملا ہے۔

جبھی آج دنیا میرے نغموں سے گونج رہی ہے!

زمانہ کی موجوں پر دنیا اپنے مدوجزر کے گہوارے میں جھول رہی ہے!

میری رگوں کے خون میں اسی ہمہ گیر مدوجزر کی کشش ہے!

دنیا میرے نغموں کے زیر و بم میں جھول رہی ہے!

جنگلوں میں گشت لگاتے ہوئے میں نے اس زمین کی سبز گھاس پر پاؤں رکھے ہیں!

پھولوں کی خوشبو سے جو سرشار ہوا ہوں تو مستی سے چونک اٹھا ہوں!

ایک سرور کا عالم مجھ پر طاری ہے!

اور دنیا میرے نغموں سے معمور ہے!

دوست! میں نے ان کانوں سے سنا ہے اور ان آنکھوں سے آنکھیں ملائی ہیں!

اس دیکھی بھالی دنیا میں میں نے اُس ان دیکھے کی تلاش کی ہے!

جبھی آج دنیا میرے نغموں سے گونج رہی ہے!

□□□

(پروباہی نی)

۳

جب نغمہ کے اندر سے میں اس دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں،

تب میں اسے پہچانتا ہوں، تب میں اسے سمجھتا ہوں!

تب روشنی کی سنہری گفتگو سن کر فضائے آسمانی کا دل محبت سے بھر آتا ہے!

تب میں اس دنیا کی خاک کے ہر ذرہ میں عرفان کا آخری پیغام پاتا ہوں!

تب دنیا باہر سے میرے دل میں آکر سما جاتی ہے!

تب تھرّاتی ہوئی گھاس کی ہر پتّی کے ساتھ میرا دل بھی خوشی سے تھرّا اٹھتا ہے!

حسن کی ہر تحریر اور سرور کی ہر لہر اپنی حدود کھو بیٹھتی ہے!

تب میں ہر اشارہ میں عرفان پاتا ہوں!

جب نغمہ کے اندر سے میں اس دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں!

تب میں اسے پہچانتا ہوں، تب میں اسے سمجھتا ہوں!

□□□

(پروباہی نی)

۴
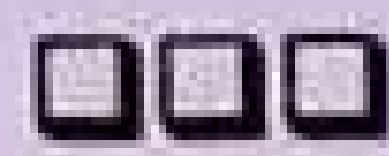
جس صبح میں نے گھاٹ پر سے کشتی کو کھول دیا، لنگر اٹھا لیا،
کس ملک کا سفر ہے، کہاں جانا ہے، اس بات کا مجھے علم نہ تھا۔
میں نے تو صرف لنگر اٹھا کشتی کو دریا میں چھوڑ دیا! نشان اتار لیا!
کشتی کھینے کی میں نے کوشش نہیں کی — صرف دھارے کے منہ پر بہ نکلا!
دریا کے کنارے کنارے، درختوں کی شاخوں پر پرندوں نے گا گا کر مجھے پکارنا شروع کیا!

دوپہر کے وقت چرواہا درختوں کے سایہ میں اپنے دھیان بیٹھا بانسری بجاتا رہا!
اس وقت میں نے یہ بھی نہ سوچا کہ سورج مغرب میں جا کر ڈوب جائے گا!
اسی دریا میں اگر بہتا چلا گیا تو یہ کشتی میری بالآخر سمندر میں جا پہنچے گی!
گھاٹوں سے گزر ساحل کو چھوڑ کشتی بہتی چلی گئی!
مجھے اکیلے ہی اسے تاریک سمندروں میں کھینا ہوگا!
آسمان پر ستارے حیرت سے میرا منہ تاکنے لگے!
سمندری گدھ ساحل کی طرف اپنے آشیانوں کو لوٹ آئے!
اے میری بیدار روح!
بہنے دے ان آزاد موجوں پر اس آزاد کشتی کو بہے جانے دے!
اور گا، گا، تاریک سمندر کی اس اندھیری رات میں بحرِ بے کراں کے سفر کا گیت گا!

اگر راہ کا نشان مٹ چکا ہے تو خوف تجھے کس بات کا ہے؟

اگر کچھ سوجھتا نہیں تو پرواہ کسے ہے؟

بارش اگر موسلا دھار آئی ہے تو آنے دے!

دے، زنجیروں کو توڑ نکل بھاگے ہوئے طوفان کے ریلے میں اس کشتی کو اڑ جانے دے!

اے میری بیدار روح! اب تو وہاں ہے جہاں کوئی دوسرا موجود نہیں، کوئی ساتھی نہیں!

یہاں وحدت کا عالم ہے!

لے، اس بے انتہا، بے پایاں ہستیٔ نا معلوم کو لے،

اسے اپنے سینہ میں سما جانے دے!

□□□

(کھیا)

۵

زمانہ کے دونوں ہاتھوں میں دو مجیرے ہیں جو سدا بج رہے ہیں—
دائیں اور بائیں!
ان کی جھنکار سے نیند اڑ جاتی ہے،
ناچ نت نئی تال کی تھاپ پر جاگ اٹھتا ہے—
پھولوں میں کانٹوں میں، روشنی اور تاریکی کے زیر و بم میں، دیکھ! زندگی کے ہر رنج میں ہر خوشی میں زمانہ کے مجیروں کی صدا ہے!
زمانہ کے ان مجیروں کی تال کے ساتھ ساتھ،
صبح و شام کا مد و جزر گویا—
اس عالمگیر رنگ روپ کے سمندر میں موجیں ہیں کہ اٹھتی ہیں اور گرتی ہیں!
یہ اندھیرے اور اجالے کا ملاپ رنگ رنگ کے بول پیدا کرتا ہے!
اے شاعر!
تو زمانہ کے ان مجیروں کی تال کے ساتھ اپنے راگ کا رنگ باندھ!
گریہ و خندہ کی تان کھینچ!
سن! موت و حیات کی محفل رقص کے طبلہ کی تھاپ میں اس نے تجھے پکارا ہے!
زمانہ کے دونوں ہاتھوں میں دو مجیرے ہیں جو سدا بج رہے ہیں—
دائیں اور بائیں!

□□□

(پروباہی نی)

۶

دیکھو، رات کیسی اندھیری ہے!
دریا کے اُس پار وہ گھنا جنگل رات کی اجھاڑسی تاریکی میں ڈوبا ہے!
اور میرے گھر میں چراغ روشن ہے!
سنو بانسری کی تان کس طرح دل میں آکر بیٹھتی ہے!
میرے ہار کے پھول ابھی تازہ ہیں —
جوانی سے سرشار آنکھیں ابھی تک بیدار ہیں!
میں کہتی ہوں، کیا رخصت کا وقت آپہنچا؟
مسافر! کیا تم چلے؟
دیکھو تمھارا راستہ کسی نے روکا نہیں،
کسی قسم کی بندشوں سے تمھیں باندھا نہیں،
گھوڑے پر زین کسا ہے، وہ تیار کھڑا ہے!
مگر، میرے ان درد بھرے نغموں نے تمھیں تھام لیا ہے!
دل یہی چاہتا ہے تمھیں ٹھہرالوں، روک لوں، جانے نہ دوں —
لیکن، صرف ان آنکھوں سے جو تیری طرف یوں حسرت سے تاک رہی ہیں!
مسافر! مجھ میں قوت نہیں، میں کمزور ہوں،
صرف میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو ہیں کہ بہتے چلے جا رہے ہیں!
اور تمھاری آنکھوں میں یہ ماندگی سی کیسی ہے؟

یہ تمھارے خون میں بے قراری سی کیسی ہے؟
معلوم نہیں اس اندھیری رات کی تاریکی میں سے تجھے کس نے اشارہ کیا ہے؟
شاید آسمان کے کنارے ثریا کے اُس گچھے نے تمھارے کان میں جھنجھنا کر کچھ سنا دیا ہے؟
اس اندھیری رات کی خاموش سیاہ لہروں نے معلوم نہیں تمھارے دل میں کیا امنگ پیدا کی ہے؟
جسے تمھاری یہ ساکت زبان ادا نہیں کرسکتی، جسے سمجھ نہیں سکتے،
نہ معلوم وہ سربستہ راز کس قاصد نے پہنچایا؟
مسافر! اس دنیا کا جھمیلا تمھیں نہیں بھاتا، تم بے تاب ہو،
تو میں شمع گل کیے دیتی ہوں—
بانسری کی تان خاموش کیے دیتی ہوں!
ہم تم دونوں اکیلے رات کی اس خاموش تنہائی میں چپ چاپ بیٹھے رہیں گے!
صرف جھینگروں کی آواز دریا کے اس پار سے گونجتی ہوئی آئے گی!
رات کے تاریک پردہ سے تھکا ماندہ پچھلی رات کا آدھا چاند کھڑکی میں سے تمھاری خواب آلودہ آنکھوں کی طرف تاکتا رہ جائے گا!
اے راہ کے جنونی، رہنے دے اپنی باتیں!
اس پچھلے پہر یہ بے کلی کیسی؟

□□□

(کھیا)

۷

میں بے قرار ہوں!

اے تو کہ بہت دور ہے، میں تشنۂ دیدار ہوں!

میرے دن اسی کے دھیان میں کٹ گئے،

اس کو پانے کی آرزو میرے دل میں ہے اور آنکھیں اس کی راہ پر ہیں!

اے تو کہ جس پر میں دل و جان سے فدا ہوں—

میں تشنۂ دیدار ہوں!

وہ جو کہ بہت دور ہے، دور— غیر محدود کے اس پار— دور بانسری میں تان پھونک رہا ہے!

ہائے میں صرف تڑپتا ہوں، بار بار بھول جاتا ہوں—

میرے پر نہیں، میں اڑ نہیں سکتا!

میرا دل بے قرار ہے!

اے تو کہ بہت دور ہے، تیرے فراق میں دل و جان سے گزرا!

صحیح ہے کہ ڈوبتے ہوئے آفتاب کی رنگین کرنوں نے میرے روشن دنوں کو خواب شیریں کے رنگ میں رنگ دیا ہے!

یہ درختوں کی تر و تازگی اور ان کا سایہ ہے کہ جس کے نغمۂ دلکش نے گلشن پر ایک حالت وجد طاری کی ہے!

یہ شاید تیرا رخسار ہے جسے نیلے آسمان پر رکھے تو محوِ خواب ہے!

یہی تیرے رخِ زیبا کا نور ہے جو آنکھوں کی راہ میرے دل میں اُتر رہا ہے!

اے تو کہ بہت دور ہے، بہت دور—

میں تشنۂ دیدار ہوں!

وہ جو کہ بہت دور ہے، دور، غیر محدود کے اُس پار—دور،

اپنی بانسری میں بے قرار نغمے پھونک رہا ہے!

ہائے! میں بھول جاتا ہوں کہ دروازہ میرے سامنے بند ہے!

□□□

(اتشرگ)

۸

زندگی! ہر لحظہ نئے رنگ میں آ!
نت نئے رنگ میں آ، خوشبو میں آ، نت نئے گانے میں آ!
ہر لحظہ نئے رنگ میں آ، نئے ڈھنگ میں آ!
بادِ صبا کے جانفزا جھونکوں میں آ!
دل میں سرورِ محض کی صورت میں آ!
آ، انتہائے مسرت سے میری ان نیم وا آنکھوں میں آ!
ہر لحظہ نئے رنگ میں آ، نئے ڈھنگ میں آ!

اے لطف و کرم! اے حسنِ درخشاں! اے سراپا اطمینان!
ہمارے دلوں کی ہر خوشی میں آ!
ہمارے درد بھرے سینوں میں آ!
زندگی کے ہر عمل میں، ہر زندگی کے لمحۂ آخرین میں —
تو اپنے رخ سے نقاب اٹھا، جلوۂ شباب دکھا!
ہر لحظہ نئے رنگ میں آ! نئے ڈھنگ میں آ!

□□□

(گیتانجلی)

۹

جب تک میں خاموش، بے حس اور بے حرکت تھا،
میری زندگی میری پیٹھ کا بوجھ تھا، اک بار گراں تھا!
میں اس دنیا کو غرض مند حریص کیڑے کی طرح کاٹ کاٹ کر کھاتا رہا!
حرص کی شدت سے میری آنکھوں میں نیند نہ تھی!
کڑی مصیبتوں کا بوجھ میرے سر پر بڑھتا چلا گیا،
معقول بحث ومباحث میں میری زندگی پختہ سالی کو پہنچی،
شک وتذبذب کی برف باری سے میرے بال سفید ہو گئے!
دفعتاً اس دنیا کی تازیانہ کی چوٹ نے مجھے چونکا دیا، میں ہوش میں آیا!
مجھ میں حرکت پیدا ہوئی — حقیقت کے چہرے سے نقاب سرکنا شروع ہوا!
غم واندوہ کا اندوختہ زندگی کے بہتے پانی کے بہاؤ میں بہنے لگا!
رفتار کے بہتے پانی کی رو میں میری زندگی آلائشوں سے دھلنے لگی!
اقدام، آب حیات کا وہ سدا بہتا دریا ہے، جو ہر لحظہ نئی زندگی نیا شباب پیش کرتا ہے!
بھائی! جبھی تو میں مسافر ہوں!
میری نگاہ، سدا سامنے راستہ پر ہے!
موت کی زنجیروں میں گرفتار، غرض مندانہ زندگی کے گوشہ میں یہ مسافر قید نہیں رہنے کا!
ابدی زندگی کا سہرا مجھے حاصل ہے!

اس سہرے کے پھول ابدی زندگی کے بہتے پانی ہی میں زندہ رہتے ہیں!
بڑھاپے کا وہ پہاڑ سا بوجھ، عمر بھر کا اندوختہ میں نے سر سے اتار پھینکا ہے!
دل! یہ آسمان آج اپنے کمال کو اپنی رفتار کے مستانہ رقص ہی سے پہنچا ہے!
اس کائنات کا ''شاعر'' اپنی رتھ پر سوار اپنی رفتار کی سرتال سے عالم میں اپنے راگ کی ہوا باندھے ہوئے ہے!
اپنے نغمۂ تکوین کو گائے جا رہا ہے!
اور سورج چاند ستارے اس کے ہمنوا ہیں!

□□□

(بولاکا)

۱۰

گھنگھور گھٹاؤں کی گرج میں تیری بانسری کی تان ہے!
واہ! کیا آسان سی تان ہے، کیا سادہ الاپ ہے!
میری آرزو ہے کہ ایسی ہی تان میری زندگی کی تان ہو!
میرے آقا! مجھے اپنے راگ کے سننے کے لائق کان دے!
میں تیرے ان عالم گیر نغموں کو بھولنے کا نہیں!
تیرے نغموں کی بیدار سروں سے میری زندگی شاداب رہے گی، میں سرشار رہوں گا!
صحیح ہے کہ یہ بے انتہا زندگی موت کے پردہ کے پیچھے منہ چھپائے ہے!
ان گھٹاؤں کی گرجتی جھنکاروں پر سمندروں میں موجیں مستانہ وار ناچتی ہیں!
میرے محبوب! مجھے بھی ان غفلت سے آزاد کر!
مجھے بھی اپنے نغمہ کی جھنکار کے اس گہرے عالم میں بیدار رکھ —
جہاں بے قراری کے دل میں ازلی قرار کا مقام ہے!
گھنگھور گھٹاؤں کی گرج میں تیری بانسری کی تان ہے!

□□□

(گیتانجلی)

١١

میں بھکارن ہوں!

گاؤں گاؤں میں گھر گھر سے بھیک لیے لوٹ رہی تھی،

بادشاہ! تو اس وقت اپنی سنہری رتھ پر سوار آرہا تھا!

واہ! کیا دل و جان کو حیرت میں ڈال دینے والا منظر تھا!

میں حیران دیکھتی رہ گئی!

کیا دلفریب، کیا ہی خوبصورت تیرا لباس تھا!

کیا انوکھی سج دھج تھی! واہ! واواہ!

میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی، آخر یہ کس شہنشاہ کی آمد ہے؟

آج میری رات جب صبح ہوئی تو اس وقت کیا ہی نیک ساعت تھی!

واہ! جب تو آج مجھے بھیک کے لیے در بدر پھرنا نہیں پڑے گا!

واہ! آج باہر نکلتے ہی یہ کس کی زیارت نصیب ہوئی!

رتھ پر سے چاروں طرف زر و دولت بکھیرتے چلے جاتے ہیں!

میں مٹھی بھر بھر کے اٹھا لوں گی!

دفعتاً دیکھتی ہوں کہ بادشاہ کی سواری میرے قریب آکر رک گئی!

بادشاہ میرے منہ کی طرف تاکنے لگا، پھر رتھ پر سے اتر آیا!

اللہ اللہ! اس روشن چہرے پر کس قدر اطمینان تھا!

آہ! میرے دل کے ہر درد کے لیے اس کے رخ کا نظارہ دوا ہے!

شہنشاہ نے میری جانب ہاتھ بڑھا کر کہا: ''مجھے بھی کچھ مل جائے!''

پھوٹے نصیب! شہنشاہ! یہ کیا؟

میں شرم سے پانی پانی سر جھکائے کھڑی کی کھڑی رہ گئی!

''تیرے یہاں کس چیز کی کمی ہے، شہنشاہ جو بھکارن سے بھیک مانگتے ہو؟''

''میرا امتحان چاہتے ہو؟''

جھجکتے ہوئے میں نے جھولی میں سے ایک چھوٹا سا دانہ اٹھا کر بادشاہ کی ہتھیلی پر رکھ دیا!

گھر پہنچ کر میں نے جھولی کو زمین پر خالی کیا—

ارے واہ! یہ کیا؟

یہ ایک چھوٹا سا سونے کا دانہ کیسا ہے؟

ہائے! جو کچھ میں نے اس بھکاری شہنشاہ کو دیا، کندن ہو کر لوٹ آیا!

میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے!

آہ! میں نے اپنا سبھی کچھ اس کے قدموں پر نثار کیوں نہ کر دیا؟

□□□

(کھیا)

۱۲

بہار اپنا نغمہ کس وارفتگی سے خاک پر لکھتی چلی جا رہی ہے!
زمین کے لبوں پر آج رنگین مسکراہٹ طاری ہے!
بہار اپنا گلگون پیرہن بار بار بدل کر گوناگوں صورتوں میں جلوہ دکھاتی ہے!
بار بار حسن کی سدائی صورتوں سے دامن بھر بھر کے لاتی ہے!
واہ! کس وارفتگی سے بہار پھولوں کو نثار کرتی آ رہی ہے!
میرے دل کو بہار نے آ کر جگا دیا ہے!
جبھی آج مجھ پر تیرے لطف و کرم کی انتہا نہیں!
میرے دل میں تیرے دیدار کا، تیرے وصال کا خواب پھر جاگ اٹھا!
سرور کی لہریں میرے رگ و ریشہ میں بجلی کی طرح کوندتی پھرتی ہیں!
رنگ رنگ کے پھول کھلتے ہیں!
واہ! کس خود رفتگی، وارفتگی سے بہار اپنا راگ دھول پر لکھتی چلی جا رہی ہے!

□□□

(پروباہی نی)

۱۳

میری آنکھوں کی مستی، میرے دل کا سرور، مجھے متوالا کر دینے والا آیا!
یہ کون ہے جسے میں دل کے اندر دیکھ رہا ہوں!
پھولوں بھرے درختوں کے نیچے، جھڑے ہوئے پھولوں سے باغ رنگین ہے!
اور شبنم سے بھیگی گھاس پر تیرے قدموں کی سنہری کرنیں ناچ رہی ہیں—
واہ! مجھے متوالا کر دینے والا آیا!
تو جنگلوں میں درختوں کی گھنی شاخوں میں جھوم رہا ہے،
تو گھاس میں لوٹ رہا ہے—
اور پھول ایک دوسرے کو کنکھیوں سے تاک رہے ہیں!
یہ کیا گفتگو ہے جو یوں دل ہی دل میں جاری ہے!
تیرا ہم سنگار کریں گے!
تیرے رخ زیبا سے نقاب اٹھا دیں گے!
لے دونوں ہاتھوں سے یہ نقاب اٹھا لے—
واہ! میری آنکھوں کی مستی، میرے دل کا سرور، مجھے متوالا کر دینے والا آیا!

□□□

(پروباہی نی)

۱۴

وہ جو باتوں ہی باتوں میں تیری حقیقت ہم پر کھولنا چاہتے ہیں،
وہ خود تو باتوں ہی کے پھیر میں ہیں!
باتوں کے جنجال میں الجھے ہیں!
باتوں ہی کے جال میں ہمیں بھی پھانسنا چاہتے ہیں!
ایک کی بات دوسرے کی سمجھ میں نہیں آتی!
جس قدر وضاحت سے وہ ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں،
باتوں پر باتوں کا طومار بڑھاتے چلے جاتے ہیں!
اور وہ جو باتیں چھوڑ تیرے گیت گاتے ہیں،
ان کے گیتوں کے سروں سے ہر کسی کے دل کا ساز ہمنوا ہو کر گونج اٹھتا ہے!
بات کو وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں، اس بات کے پیچھے سر نہیں کھپاتے!
ان کے دل کا درد تو تیرے قدموں سے جا ٹکراتا ہے!

□□□

(پروباہی نی)

۱۵

اس راستے کے کنارے میں اپنے نغموں کے نقش ونگار بنائے دیتا ہوں!
اے ہرراہ کے مسافر! اس راہ سے گزرتے ہوئے میرے ان نغموں کے نقش ونگار پر
قدم رکھنے کی عزت سے مجھے سرفراز کرنا!
یہ پرندہ تیرا جو صبح کے وقت تیری حمد وثنا میں گیت گارہا ہے،
تیری یاد میں سدا نغمہ سرا ہے!
جب تو صبح کی سنہری کرنوں کی کشتی پر سوار اس گھاٹ کے پاس پہنچے،
تو میرے صبح کے نغموں کے اس ساحل پر آکر ذرا ٹھہر جانا!

آج سویرے بادلوں کا بھیگا سایہ گھنے جنگلوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے!
خوشی سے بھر آئی ہوئی آنکھوں کی طرح آسمان شبنم سے بھیگا ہے!
اپنے اس صبح کے نورانی لباس میں، تاڑ کے جنگلوں اور میدانوں کے اس پار—
دور، جو تو آن کھڑا ہوا ہے، تو اب یوں ہی لوٹ نہ جانا!
اے ہرراہ کے مسافر! میرے برسات کے اس ملار کے اندھیرے میں ذرا توقف کرنا
اس راستے کے کنارے میں اپنے نغموں سے تیری مسند کو سجائے دیتا ہوں!
اس پر کچھ دیر بیٹھنے کی عزت سے مجھے سرخرو کرنا!

□□□

(پروباہی نی)

۱۶

شکل وصورت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں!
مجھے شکل وصورت سے مبرا ایک جوہر کی تلاش ہے!
گھاٹ گھاٹ پر سرگرداں پھرنا میں نے چھوڑا!
اس پرانی ناؤ کو اب میں دریا میں نہیں ڈالتا!
ممکن ہے کہ اب وقت آپہنچا ہو اور زمانہ کی موجوں کے تھپیڑے کھانا میرے نصیب میں نہ ہو!
شاید اب وہ وقت آپہنچا ہے جب مجھے آب حیات کے قلزم میں غوطہ زن ہو کر حیات ابدی میں جان دے دینا ہوگی!
جہاں بے صدا نغمے سدا سے گائے جا رہے ہیں!
اب میں اپنے دل کی ستار کو وہیں لے چلتا ہوں—
جہاں محفل سرود سدا اپنی رونق میں ہے، وہاں پہنچ کر مجھے ازلی نغمے گانے کی خواہش ہے!
اور وہ نغمہ جو زندگی کے آخری آنسوؤں کے تار سے پیدا ہوتا ہے، اسے گاتے ہوئے میں اپنے ساز کو اس سدا خاموش کے قدموں پر رکھ دوں گا!
شکل وصورت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں کہ مجھے شکل وصورت سے مبرا ایک جوہر پانے کی امید ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۱۷

دن تمام ہو چکا!

یارب! میری آنکھوں پر سے یہ غروب آفتاب کے منظر کا رنگین پردہ اٹھا دے!

تاریکی کے سینہ میں ازلی نور کا مقام ہے!

بس وہیں پر سے اپنا حجاب اٹھا دے!

تمام باتیں مل ملا کر انتہا میں ایک ہو جاتی ہیں،

خاموشی کے قلب میں حقیقت کی پکار ہے!

بس وہی حقیقت میرے کان میں کہہ دے!

□□□

(پروباہی نی)

۱۸
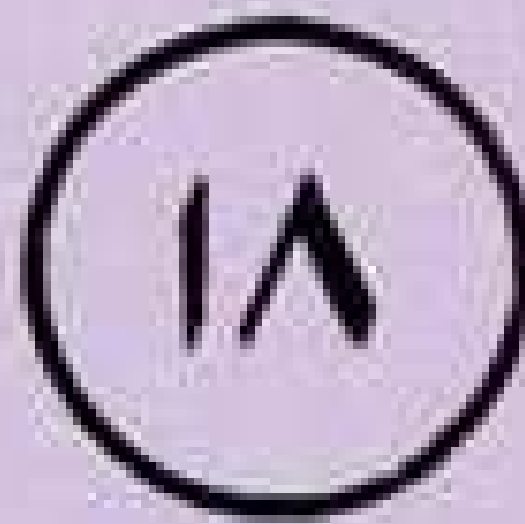
اس بات کی بحث نہیں کہ میں نے بات سمجھی یا نہیں سمجھی،
وہ بات مجھے بھا گئی، بات تو صرف یہ ہے!
صبح کی روشنی سے میری آنکھیں لبریز ہیں،
اس ازلی سرور کو میں ہر روز ایک نئے رنگ میں پاتا ہوں!
واہ یہ کون ہے جسے میں دیکھ رہا ہوں؟
میں نے اسے دیکھا نہیں، جبھی میرے دل میں خوف ہے!
میں نہیں سمجھتا کہ آخر یہ سب کچھ کچھ بھی نہیں!
خواب غفلت سے جب میں بیدار ہوں گا، میرے لبوں پر تبسم ہوگا!
اور وہی ذات جو خواب میں اس زندگی کے گھوارے کو ہلا رہی تھی، مجھے اپنے آغوش میں اٹھالے گی!

□□□

(پروباہی نی)

۱۹

میرے آقا! تیرے انتظار میں آنکھیں اب تک بیدار ہیں!
تجھے دیکھنا نصیب نہیں ہوا، تیری راہ دیکھتا ہوں!
یہ راہ دیکھنا بھی دل کو بھاتا ہے!
دروازہ کے باہر زمین پر بیٹھا ہوں —
یہ میرا بھکاری دل تیرے کرم کا خواستگار ہے!
تیرا کرم مجھ پر نہیں، صرف تیری راہ دیکھتا ہوں،
یہ راہ دیکھنا بھی دل کو بھاتا ہے!
اس دنیا میں لوگوں نے بڑی بڑی مہمیں انجام دیں،
سکھ آرام پایا، نیک کاموں میں بھی مجھ سے بازی لے گئے!
میرا ساتھی مجھے نہ ملا! میں تجھے ہی چاہتا ہوں!
یہ چاہنا بھی دل کو بھاتا ہے!
سب محض سرور ہے، آب حیات ہے جو چاروں طرف یوں موجزن ہے!
اور یہ حسین دنیا اپنے عشق میں کیسی بے قرار ہے!

مجھے تو صرف رلاتا ہے! تجھے دیکھنا میری قسمت میں نہ تھا!

صرف ایک درد میرے دل میں ہے،

یہ درد بھی دل کو بھاتا ہے!

❑❑❑

(گیتانجلی)

۲۰

تیرا راگ میں کب سے گاتا چلا آرہا ہوں، یہ کوئی آج کی بات نہیں!
مجھے یاد نہیں میں کب سے یوں تیری طرف تاک رہا ہوں، یہ بھی کوئی آج کی بات نہیں!
جس طرح چشمہ کا پانی سدا سے بہتا چلا آتا ہے،
معلوم نہیں وہ کس کی تلاش میں نکلا ہے،
زندگی کے چشمہ کے بہاؤ میں میں بھی بہتا چلا آیا ہوں اور یہ کوئی آج کی بات نہیں!
تجھے کتنے ہی ناموں سے میں نے پکارا ہے!
تیرے تصور میں طرح طرح کی تصویریں میں نے اپنے تخیل میں کھینچی ہیں!
واہ! یہ کیا سرور ہے، جس کے دھارے کے منہ پر بہتا چلا جارہا ہوں!
پھول جس طرح بے خبری کے عالم میں روشنی کا انتظار کرتے ہیں، اور رات کٹ جاتی ہے،
اسی طرح تیرے وصال کی آرزو میرے دل پر چھائی ہوئی ہے،
یہ کوئی آج کی بات نہیں!

□□□

(گیتانجلی)
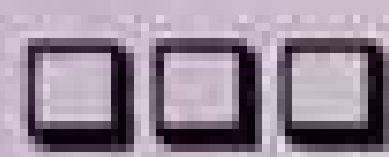
۲۱

بس یہی تو تو نے خوب کیا!
اے قہار! واہ، خوب کیا!
اسی طرح میرے دل و جگر میں غم واندوہ کی آگ دہکتی رہے!
میرے اس لوبان کو اگر آگ میں نہ جھونکا جائے تو یہ خوشبو نہیں دیتا!
میری اس شمع کو جب تک جلایا نہ جائے یہ روشنی نہیں دیتی!
جب تک میرا دل غفلت کے نشہ میں سرشار تھا،
اے قہرمان! تیرے پاؤں کی ٹھوکر ہی اس کے لیے تیرا لطف تھا تیرا کرم تھا!
یہ حرص کی تاریکی تھی جس میں میں تجھے پہچان نہ سکا!
ہاں، تو پھر اب بجلی گرے!
یوں گرے کہ دفعتاً میری تاریکیوں میں اجالا ہو جائے!
واہ! یہی تو تو نے خوب کیا!
اے قہار! بس اسی طرح میرے دل میں غم واندوہ کی آگ بھڑکتی رہے!

□□□

(گیتانجلی)

۲۲

زندگی کے سُر

تیرے ساز کی جس سُر کے ساتھ سُر ملا کر گانا چاہتا ہوں،
میں اپنے ساز کے تار تار میں اُس کی تلاش کرتا ہوں اور نہیں پاتا!
صبح سویرے پرندوں کے گاتے ہوئے جاگنا،
ندی کے پانی کا اٹھلاتے ہوئے بہتے چلے جانا،
بادلوں کا دلفریب رنگوں میں بدلتے رہنا،
چاندنی کا دریا کے کنارے پر سادگی سے لوٹنا،
ساون کی اندھیری رات میں بارش کا موسلا دھار برسنا—
میں اسی طرح کے صاف اور سادہ سروں کا متلاشی ہوں!
ای طرح کی بھرپور سروں کا جن سے معنی خود بخود ٹپکتے ہوں،
جو پھولوں کی طرح خود بخود کھل جاتی ہوں—
اور پھولوں ہی کی طرح ہر لحظہ نئی اور جاودانی زندگی کے نشان ہوں!
قدیم ترین زمانہ سے رائج ہوں!

وہ گانا جو کبھی گاتے ہیں اسی کی تلاش میں سرگرداں ہوں!

اور یہ جو میرا نیا ساز ہے یہ نئے تاروں سے بندھا ہے!

اس میں نت نئی سروں سے نئی ایجادوں کی فکر میں رہتا ہوں، نئی کاوشوں میں!

جبھی بادِ نسیم کی ہلکی ہلکی آزادانہ بہنے والی لہروں میں میرے ساز کی سریں اس سادگی سے نہیں گونجتیں!

جبھی میرا گیت آسمان کی خاموش اور پُر نور فضا میں غیر مانوس اور اجنبی سا معلوم ہوتا ہے!

جبھی میری زندگی میں ہر قدم پر ٹھوکر کا سامنا ہے!

جس قدر سخت کوشش میں کرتا ہوں یہ کوشش ہی میرے لیے بوجھل ہو جاتی ہے!

میں اپنے نغموں میں کیا ادا کرنا چاہتا ہوں، خود مجھے بھی اس کا علم نہیں!

جبھی میں تیرے راگ سے سُر ملا کر گا نہیں سکتا۔

□□□

(کھے یا ی)

۲۳

دعا

میرے آقا!

میری التجا تجھ سے یہ نہیں کہ مجھے اس دنیا کے رنج وغم سے تو آزاد کر دے!

نہیں، میری دعا تو یہ ہے کہ مجھے توفیق دے میں اپنے درد وغم کا بلا خوف وخطر مقابلہ کرسکوں!

اپنے مصائب پر فتح حاصل کرنے کی مجھے قوت عطا کر!

درد وغم کا طوفان ہو، مصیبتوں کی اندھی بوچھاڑ ہو،

گو میرے دل کو تو اطمینان نہ بخشے،

میری دعا یہ ہے کہ مجھے رنج وغم پر غالب آنے کی توفیق دے!

یوں ہو کہ میرا سہارا نہ ٹوٹے،

میری قوت میرے ہاتھ سے نہ چھوٹے،

اس دنیا میں انتہائی خسارہ اٹھانے کے بعد، اپنے بچاؤ کی ایک صورت — موت دیکھ کر میں مرجانے کی خواہش نہ کروں!

زندگی کے اس ناپیدا کنار سمندر سے تو میری کشتی کو سلامتی سے کنارہ لگادے،
نہیں، یہ میری التجا نہیں!
مجھے خود تیر کر پار کرنے کی ہمت عطا کر!
میں نہیں کہتا تو میرے بوجھ سے مجھے سبکسار کردے،
نہیں، یوں ہو کہ میں اپنا بوجھ اٹھا سکوں!
میرے آقا! میری دعا یہ نہیں کہ تو مجھے اس دنیا کے رنج وغم سے آزاد کردے!

□□□

(گیتانجلی)

۲۴

سدا کا ساتھی!

اُس وقت میں اپنے بستر پر پڑا سو رہا تھا جب اچانک ہی کسی نے مجھے پکارا!
عالم اس وقت اپنے ستاروں کی روشنی میں چپ چاپ کھڑا تھا!
اور زمین پر سخت اندھیری رات تھی!
میرے دوستوں نے مجھ سے کہا: ''بھلے آدمی کہاں چلے؟
اندھیرے میں راستہ ڈھونڈھے نہ پاؤ گے!''
میں نے کہا: ''مجھے پرواہ نہیں! یہ شمع میرے پاس ہے، اسی کی روشنی میں راستہ دیکھتا چلا جاؤں گا!''
شمع جس قدر اپنی قوت کے بل پر لو اونچی کیے جل رہی ہے،
اسی قدر اس کی روشنی میری آنکھوں کو چندھیائے دیتی ہے!
اس شمع کی روشنی پرچھاؤں سے مل کر فریب دہ شکلیں پیدا کرتی ہے،
حیرت انگیز صورتیں نظر آتی ہیں،
روشنی سے اندھیرا مل کر وہ طلسم کاری کرتا ہے کہ میں حیران کھڑا دیکھتا رہ جاتا ہوں!
اس طرح کا آدھا دیکھنا اور آدھا نہ دیکھنا مجھے اندھا کیے دیتا ہے!

شمع کی لو بے قرار ہوا سے ٹکرا کر کانپ اٹھتی ہے!
پاؤں میں کانٹے الجھتے ہیں!
دفعتاً کسی درخت کی گھنی شاخوں سے میرا سر ٹکرایا، شمع میرے ہاتھ میں بجھ کر رہ گئی!
دیکھتا ہوں نہ معلوم کب سے راستہ کھو چکا ہوں، بے راہ چلا جا رہا ہوں!
رات سخت اندھیری ہے!
میری آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے، میں زار زار رونے لگا!
میں نے سر جھکا کر عرض کیا: ''اب مجھ میں طاقت نہیں راستہ ڈھونڈنے کی!''
دیکھتا ہوں نہ معلوم کون میرے پیچھے پیچھے کب سے آ رہا تھا!
وہی میرا سدا کا ساتھی!

□□□
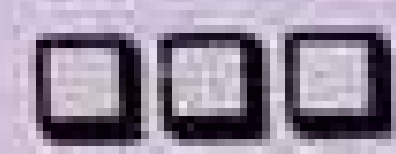
(پروباہی نی)

۲۵

نجات

بس رہنے دے، یہ تسبیح گردانی یہ عبادت اور وظیفہ خوانی رہنے دے!
بھلے آدمی یہ عبادت گاہ کے کواڑ بند کیے تو اندھیرے کونے میں کیوں بیٹھا ہے؟
کس کی عبادت کر رہا ہے؟
آنکھیں کھول کر دیکھ وہ اس گھر میں نہیں!
جہاں دہقان مٹی کے ڈھیلے پھوڑ پھوڑ کر زمین کی کاشت کر رہا ہے،
جہاں پتھر توڑ توڑ کر مزدور سڑک کوٹ رہا ہے!
اور سال بھر وہ اسی کام میں اپنا خون پسینہ کی راہ بہا رہا ہے،
وہ دھوپ اور پانی میں اُن کے ساتھ ہے!
اس کے دونوں ہاتھ مٹی سے بھرے ہیں!
بس تو اس کی طرح یہ اپنا مقدس جبہ اتار پھینک!
زمین پر آ کر بیٹھ!
نجات؟
نجات کہاں ہے؟ نجات کس سے پاؤ گے؟

پروردگار تو خود اپنی آفرینش کی زنجیروں میں ہم سب کے ساتھ بندھا پڑا ہے!
چھوڑ ان مراقبوں کو، پھینک یہ سب نذر و نیاز!
تیرے لباس کے چیتھڑے اڑتے ہیں تو اڑنے دے!
اگر کیچڑ سے تیرا لباس لت پت ہوتا ہے تو پرواہ نہ کر، بلا سے!
اگر تیری پیشانی سے پسینہ ٹپک پڑے تو کیا ہوا؟
باہر آ، زندگی کے اعمال میں تو اس کا ساتھ دے!

□□□

(گیتانجلی)

۲۶

رہبانیت کی نجات میری نجات نہیں!
میں دنیا کی ان بے شمار مسرت بھری بندشوں میں آزادی کی لذت کا جویا ہوں!
اس جہان خاکی میں میں اپنے جام سفالیں کو بار بار آب حیات سے بھرتا ہوں اور خالی کرتا ہوں!
اپنے اس گھر کو تو اُس کی عبادت گاہ کی طرح اپنے چراغ سے روشن رکھ —
جس طرح خود اس نے اپنی اس دنیا کے آسمان کو ستاروں سے روشن کر رکھا ہے!
حواس کے دروازہ بند کر رکھنا،
اپنے پاؤں میں ریاضت شاقہ کی کڑی زنجیریں پہننا،
یہ میرا کام نہیں!
آنکھوں کے نظارہ میں، نغمہ میں، خوشبو میں جو مسرت ہمیں حاصل ہے،
اے خدا! تیری خوشی بھی انھی میں کہیں ہوگی!
یہ میری آرزوئیں ہیں جو اپنی جگمگاتی ہوئی صورتوں میں میری نجات کا باعث ہوں گی!
اور میرا عشق میری نیازمندی میں اپنے کمال کو پہنچے گا!
رہبانیت کی نجات میں میری نجات نہیں!

□□□

(نوئی بیدیا)

۲۷

میرے آقا! اس عالم گیر زندگی میں جہاں تو آپ موجود ہے،
میرا تعلق بھی تجھ سے وہیں ہے!
ان جنگلوں اور میدانوں میں کوئی نہیں!
ہم سب سے الگ اور دور کوئی نہیں!
صرف میرے ہی اپنے دل میں کوئی نہیں!
میرے آقا! جہاں تو ہر ایک کا ساتھی ہے، وہیں تو میرا بھی رفیق ہے!
جہاں تو اپنی محبت سے عالم گیر زندگی کو اپنے سینہ سے لگائے ہے،
میرا عشق بھی تجھ سے اُسی زندگی کی دلبستگی میں ہے!
عشق صرف گھر ہی کی چہار دیواری میں محدود نہیں رہتا،
وہ روشنی کی طرح چھا جاتا ہے، پھیل جاتا ہے!
دوست! تو سب کے دل کی خوشی کا ایک سرچشمہ ہے!
میری خوشی بھی تیرے ہی سرور میں ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۲۸

نور کی عظمت!

کس طرح اپنے دل کے سرور کو زبان سے ادا کروں!
صبح کا وقت ہے اور میرا دل خوشی سے ناچ رہا ہے!
اب میں یہ نغمہ میں کس طرح ادا کروں کہ وہ کون سی دولت ہے جو مجھے ملی ہے؟
میں آج نور کی عظمت میں سانس لے رہا ہوں!
حسن بے نظیر اور سرور بے مثل کے عالم میں میں نے اپنے دل کے خلوت خانہ میں
اپنے دل کے شہنشاہ کو دیکھا ہے!
اور اس خاموش محفل میں میں نے اس سے گفتگو کی ہے!
میں نے اس بے پایاں زندگی کے شہنشاہ کو دیکھا ہے!
لیکن اس نے میری جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی یا نہیں؟
اس کی اُن پھول کی پنکھڑیوں سی انگلیوں نے مجھے چھوا بھی یا نہیں؟
یہ باتیں میرے دھیان سے جاتی رہی ہیں!
بے انتہا خوشی کے عالم میں ان باتوں کو بھول گیا ہوں!
مجھے معلوم نہیں کیا ہوا!

صرف یہ معلوم ہے کہ میری آنکھوں سے مسرت کی روشنی قطرہ قطرہ ٹپک رہی تھی!
میری آنکھیں جو سرور کے آب حیات سے شاداب ہیں، پھولوں کی طرح کھل گئی تھیں!

جدھر دیکھتا تھا یہی محسوس کرتا تھا کہ میں نے کسی کو پالیا ہے!
لیکن میں نے کسے پایا یہ میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتا!
کیا سبب ہے کہ فضا آج خوشی سے ایک وجد کے عالم میں ہے؟
وہ کون ہے جو اس لا وجود آسمان کو اپنی ہستی سے معمور کیے ہے؟
میں نے اپنے آپ کو اُسی کے سپرد کیا ہے،
میرا جسم اس کے نور سے مل کر ایک ہو چکا ہے!
یہی سبب ہے کہ صبح کی رنگین شعاعیں میرے جسم کے ذرات سے گھل مل گئی ہیں!
میں دل و جان سے اس پر نثار ہو چکا ہوں جس کا ضمیر روشن یہ تمام عالم ہے!
میرا وجود اُس کے ذرات میں کھو گیا ہے!
جس طرف نگاہ اٹھاتا ہوں مجھے اپنی ہی خوش و خرم روح جلوہ نما نظر آتی ہے!
میری ازل مسعود ہے میری ابد مبارک!

□□□
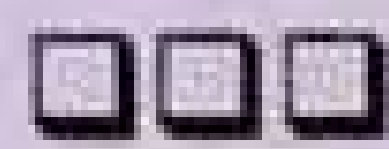
(کھیا)

۲۹

میرا پیش کش!

آقا! تو نے پرندہ کو گانا سکھایا،

اس گانے کے سوا اس نے دنیا کے پیش کچھ نہیں کیا!

میرے گلے میں تو نے سُر پیدا کی!

میں اس سے زیادہ پیش کرتا ہوں — میں گاتا ہوں!

آقا تو نے ہوا کو آزاد پیدا کیا!

تیرے حکم کی پابند وہ اپنی سادگی میں آزاد بہتی ہے!

میری گردن پر تو نے جس قدر بارگراں لاد دیا،

میں اسے لے کر کبھی سیدھا کبھی بھٹکتا چلا جا رہا ہوں!

زندگی کے آخری روز میں اس بارگراں کو موت کے منہ میں جھونک دوں گا —

اور یوں تیرے قدموں پر لا کر رکھ دوں گا!

اس طرح اس بار سے آزاد ہو کر تیرے سامنے آن کھڑا ہوتا ہوں!

جو زنجیریں تو نے مجھے پہنائیں، میں انھیں توڑ کر نجات حاصل کرتا ہوں!

میں آب حیات کے قلزم کا شناور ہوں!

تو نے چاند کو مسکرانا سکھایا!
خوشی کی مسکراہٹ سدا اس کے لبوں پر کھیل رہی ہے!
اپنی اس ہنسی کے سیلاب سے وہ دنیا کے اندھیرے کونوں میں اجالا کر دیتا ہے
میری قسمت میں تو نے رنج وغم میں گھلنا لکھا!
میں اس دکھ کو اپنے آنسوؤں کے پانی سے دھو کر مسرت کی شکل میں بدل دیتا ہوں!
دن تمام ہوئے پر روز فراق کو شب وصل میں تبدیل کر دیتا ہوں!
تو نے صرف یہ جہان فانی پیدا کیا!
اور اس میں اندھیرے سے اجالے کو لا کر ملا دیا!
مجھے اس جہان میں تو نے خالی ہاتھ پیدا کیا!
میری بے بسی پر تو قہقہہ زن ہے!
خلا لامحدود کے اُس گوشہ میں بیٹھا قہقہہ زن ہے!
مجھے خدمت عطا ہوئی ہے کہ اس جہان کو بہشت کے سانچے میں ڈھالوں!
سبھی پر تیرے انعامات کی بارش ہے،
صرف مجھ ہی سے تو چاہتا ہے!
میں جو کچھ اپنے عشق کی دولت سے تیرے حضور میں پیش کرتا ہوں،
تو عرش پر سے اتر کر اُسے قبول کر لیتا ہے!
میرے ہاتھ جو کچھ بھی تو دیتا ہے، میں اس سے زیادہ تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں!

□□□

(بولاکا)

۳۰
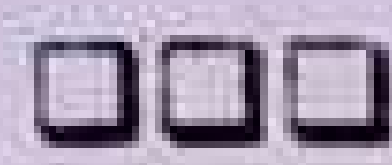
جب میں آیا!

جس دن تو اپنے آپ میں اکیلا تھا،
اُس دن تو نے اپنے آپ کو دیکھا نہیں، پہچانا نہیں!
اور نہ اس دن کوئی کسی کی راہ دیکھتا تھا!
نہ کسی کی آہ زندگی کے بادبانوں میں جنبش پیدا کرتی تھی!
تب میں آیا!
تیری نیند اڑ گئی!
فضا کے گوشہ گوشہ میں روشنی کے پھول کھلنے لگے!
پھولوں ہی پھولوں میں تو نے مجھے پرورش کرنا شروع کیا!
میری زندگی کے گہوارے کو تو نے طرح طرح سے جھلانا شروع کیا!
تو نے مجھے ستاروں میں بکھیر کر پھر آغوش میں لے لیا!
اور پھر موت کے پردہ میں چھپا کر بار بار میرے منہ پر سے پردہ اٹھا اٹھا کر دیکھا!
جب میں آیا، تیرا دل بھر آیا!
میرے ساتھ تیرا درد میرے دل میں آیا!
میرے ساتھ تیری بہار کی خوش آفرینیاں آئیں!
موت و حیات کا مدوجزر پیدا ہوا!

موسم بہار کی بے قراری آئی!
میرا آنا تھا کہ تو بھی آیا!
میرے ہاتھ کے چھونے میں تو نے اپنے احساس کو پایا!
میری آنکھوں میں شرم ہے، دل میں خوف اور منہ پر نقاب!
پھر تیرے دیدار میں یہ نقاب حائل ہوتا ہے،
میری آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں!
میرے محبوب! جبھی میں سمجھتا ہوں کہ میرے ہی دیدار کے لیے تو بے قرار ہے!
اگر یوں نہیں، تو یہ سورج چاند ستارے سب بے کار ہیں!

□□□

(بولاکا)

۳۱

لوگوں کے آنے جانے کی اس راہ کے کنارے،
میرے دن تو گیت گاتے کٹ گئے!
اب میں چلتے وقت اس فکر میں ہوں کہ یہ راگ جو میرے سینہ میں ہے کسے سونپتا جاؤں؟
سوچتا ہوں کہ گیتوں کی یہ گونا گوں سریں رنگارنگ کی فصلوں میں باندھوں!
پھولوں کے رنگوں میں، ان کی خوشبو میں اپنے نغمے بھرتا جاؤں!
گیتوں کی موزونیت بادلوں کی سنہری تحریر میں لکھ کر محفوظ کردوں!
ان گیتوں میں سے کچھ تو شب وصل میں کام آنے والی مالا کے پھولوں کی ترتیب میں بندھے رہ جائیں گے،
اور کچھ ان ترستی آنکھوں کو جب وہ چار ہوں گی، تر کردیا کریں گے!
کبھی کبھی میرے دل کا ٹکڑا کوئی جوگی بھی پالے گا!

□□□

(پوروبی)

۳۲

واہ! یہ گانا تیرا کیا خوب ہے!
میں حیران سنتا ہوں، ہمہ تن حیرت سنتا ہوں!
تیرے نغموں کے نور سے دنیا میں اجالا ہے!
تیرے راگ کی سریں آسمانوں میں آزاد بہتی ہیں!
تیرے نغمے ہر سنگ راہ کو بہائے لیے جاتے ہیں،
سریں اپنے لطف میں سرشار بہتی چلی جارہی ہیں!
میں چاہتا ہوں تیرے گیت کی سر سے سر ملا کر گاؤں،
اپنے گلے میں اس سُر کو ڈھونڈھتا ہوں اور نہیں پاتا،
میں کچھ ادا کرنا چاہتا ہوں وہ زبان پر نہیں آتا!
بار بار ناکام رہا ہوں، ہار مانی ہے!
اپنے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر گریہ وزاری کرتا ہوں!
آہ! میرے چاروں طرف نغموں کا جال پھیلا کر تو نے مجھے حیرت سے ششدر کر رکھا ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۳۳

جس گیت کے گانے کے لیے میں اس دنیا میں آیا ہوں،
آج تک اسے گا نہیں سکا!
میں آج بھی سروں کے اونچ نیچ ہی کی کھینچ تان میں ہوں!
اس گیت کی سریں ابھی تک درست نہیں ہوئیں!
لفظوں میں دل کے راز کو ادا نہیں کیا جا سکتا!
صرف میری روح میں اسے ادا کرنے کے لیے ایک بے قراری ہے!
آہ! آج بھی وہ پھول کھل نہ سکا!
صرف نسیم صبح کا جھونکا سا آ کر بہ گیا ہے!
جس گیت کے گانے کے لیے میں آیا ہوں ابھی تک گا نہیں سکا!
میں نے اسے بے نقاب نہیں دیکھا!
نہ اس کا پیغام ہی مجھ تک پہنچا ہے!
صرف کبھی کبھی اس کے پاؤں کی آہٹ میرے کان میں آئی ہے!
اور صرف میرے دروازہ کے سامنے سے اس کا گزر ہوا ہے!
دن بھر کی محنت کے بعد دیکھتا ہوں کہ اب تک اس کی مسند بھی درست نہیں کر سکا!

گھر میں چراغ تک روشن نہیں ہوا!
میں کس طرح اسے اندھیرے گھر میں دعوت دوں؟
صرف اسے پانے کی آرزو میرے دل میں ہے،
میں نے اسے پایا نہیں!

□□□
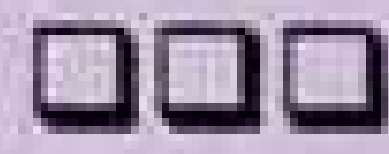
(گیتانجلی)

۳۴

پھولوں کے ساتھ جھڑ جھڑ کر نُچ نُچ کر، گرد و غبار میں مل جل کر—
فنا ہو جانے کی اس تال پر بھی قدم اٹھا کر ناچ سکو گے کیا؟
غور سے تم سنتے نہیں،
آسمان کے گوشہ گوشہ میں، سورج چاند ستارے میں،
یہ موت کی سارنگی میں آخر کن نغموں کا شور ہے؟
خرمن ہستی کو آگ دکھا کر، دہکتی آگ میں—
جل مرنے کی اس تال پر بھی قدم اٹھا کر ناچ سکو گے کیا؟
وہ دیوانہ کس پاگل کر دینے والے گیت کی تان پر نہ معلوم کس طرف کو چل نکلا!
پیچھے کی طرف منہ موڑ کر وہ نہیں دیکھتا، وہ کسی زنجیر کی گرفت کو نہیں مانتا!
لٹ کر برباد ہو جانے اور چھوٹ کر نکل بھاگنے—
بس بڑھتے ہی چلے جانے کی روح پرور تال پر بھی قدم اٹھا کر ناچ سکو گے کیا؟
اس عالم گیر سرور کی سُر تال، راگ رنگ اور خوشبو سے متوالی بہار، برسات، گرما و سرما کا ایک رقص لامتناہی جاری ہے!
نسیم آزاد ہے؟
اٹھا کر پٹک دینے، چھوٹ کر نکل جانے، مر کر رہ جانے کی اس تال پر بھی قدم اٹھا کر ناچ سکو گے کیا؟

□□□

(گیتا نجلی)

۳۵

تاج محل!

اے روضۂ مرمریں!
یہ زندگی تجھے کس نے دی؟
یہ حیات ابدی کا لبریز جام تیرے ہاتھ میں کس نے دیا!
جو تو اس طرح اس دنیا کے سرور کے پھول کو اپنے ہاتھ میں لیے ہمیشہ آسمان کی طرف بڑھائے یوں خاموش کھڑا ہے!
بہار واپسیں کی سرد آہ سدا تیرا طواف کرتی ہے!
شب وصال کی آخری گھڑی تھی!
آسمان کے ستاروں کی دمک پر سپیدۂ سحر سے مردنی سی چھا گئی تھی!
رات جگی تھکی ماندی آنکھوں کے آنسوؤں کی آبشار کے کنارے،
غم کے مارے دل کی تاریک گہرائیوں سے جو گنگناتا ہوا گیت کبھی سنائی دیا تھا،
وہ آج کہیں نہیں!
لیکن اے حیات ابدی کے تاج مرمریں!
وہی نغمہ وہی نوائے غم تجھ میں آج بھی موجود ہے!
عاشق شہنشاہ نے اپنے ٹوٹے ہوئے دل سے اپنے مایۂ فراق کا موتی نکالا،
اور زمانہ کی ہتھیلی پر رکھ دیا!

اس شہنشاہ کا کوئی دربان کوئی پہرہ دار اس کی محافظت کے لیے موجود نہیں!
شہنشاہ عالم کے اس درد دل کے موتی کو صرف آسمان گھیرے ہوئے ہے!
آسمان اس درد کے موتی پر ایک الفت بھرا بوسہ سدا سے دیے ہے!
صبح اپنے نور کی پہلی کرنوں سے اسے نہلاتی ہے!
چاندنی اسے اپنی زرد حسرت انگیز روشنی کا لبادہ اڑھاتی ہے!
اے ملکہ ممتاز! تیرے عشق کی یاد تیرے حسن سے بقا میں سبقت لے گئی!

❑❑❑
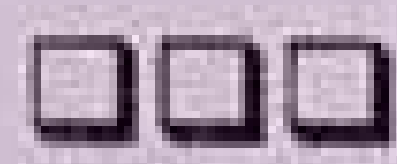
(بولاکا)

۳۶

شاہجہان!

خداوند ملک، شاہجہان!

تجھے معلوم تھا کہ زمانہ کا تیز دھارا بہا جا رہا ہے،

حسن، زندگی، عزت و آبرو اور دولت سبھی کچھ بہائے لیے جا رہا ہے!

لیکن تیرے دل کا درد؟

آہ! شہنشاہ! تیری یہ آرزو تھی کہ تیرے دل کا درد ہمیشہ کے لیے باقی رہ جائے!

تیری سلطنت جو کہ اپنے استحکام میں آسمان سے گرنے والے برقی فولاد سے بھی محکم تر تھی،

اگر وہ سلطنت غروب آفتاب کے رنگین منظر کی طرح فراموشی کے خواب گراں کی تاریکی سے مل کر بہہ جاتی ہے تو جائے،

مگر، شہنشاہ! تیری یہ تمنا تھی کہ تیرے دل کا درد،

سدا ایک بلند شعلہ نور فشاں کی طرح آسمان کو اپنے درد سے سوزاں و منور رکھے!

تیری یہی ایک آرزو تھی!

تیرا جاہ و جلال، تیری عظیم الشان سلطنت کی شوکت،

جواس دنیا کے آسمان پر ایک محیّر العقول، لعل وزمرد وعقیق والماس سے مرصّع ایک قوس قزح کی طرح چھائی ہوئی تھی!

اگر وہ شان وشوکت عدم کی ویرانیوں میں کھو کر فنا ہو جاتی ہے تو ہو جائے،

آہ! رہ جائے—

زمانہ کے رخسار پر تیری آنکھ سے گرنے والا ایک آنسو—

مجلاّ ومطہر— تاج محل!

ہائے انسان کے بے اختیار دل!

بار بار کسی کو گردن پھرا پھرا کر دیکھنے کی فرصت کہاں ہے؟

وقت جو نہیں، زندگی کے تیز دھارے میں تو بے اختیار بہا جا رہا ہے!

اس دنیا کی مختلف منزلوں پر سے تیرا گزر ہوتا ہے!

ایک گھاٹ پر سے تو بوجھ اٹھاتا ہے، دوسرے گھاٹ پر جا اتار دیتا ہے۔

دکھن سے جب باد بہار گنگناتی ہوئی آتی ہے،

تیرے باغ کے گوشہ گوشہ میں آکر جھومتی ہے، پھرتی ہے، گاتی ہے!

بہار جب تیرے لگائے ہوئے باغ میں پھولوں کے ایک سیلاب کی طرح آتی ہے،

اور پھر جب شام کے وقت چرواہا اپنے گلے ریوڑ گاؤں کو ہانکتا ہوا لاتا ہے،

تب مویشیوں کے پاؤں سے اڑتی ہوئی دھول شام کی تاریکی سے مل جاتی ہے—

تب دیکھ! بہار کی تمام حسن آفرینیاں بھی آہستہ آہستہ خاک میں ملنا شروع ہو جاتی ہیں،

پھول مرجھا کر جھڑ جھڑ جاتے ہیں!

وقت نہیں، زمانہ کی ڈھیل نہیں!

پھر شبنم سے شرابور رات کا وقت ہو،

تیرے باغ میں بہار اپنے جوبن میں کمال کو پہنچی ہو،
اور پھر جب بادلوں کے ٹکڑے سفید سفید روئی کے گالوں کی طرح نیلے آسمان میں بھٹکتے پھریں،
تب شاید تو نے بھی آنسوؤں سے دامن بھر بھر کر کسی کے مزار پر اپنی نذر کے موتی نثار کیے ہوں!

ہائے اے انسان کے بے اختیار دل!
ہائے تیرا انتخاب!
سب کچھ دن تمام ہوئے پر یہیں راستہ ہی کے کنارے چھوڑ کر چل دینا ہوگا!
وقت نہیں، فرصت نہیں، زمانہ کی مہلت نہیں!

خداوند ملک!
جبھی تو نے اپنے تڑپتے ہوئے دل میں سوچا تھا،
اور تو نے یہ آرزو کی تھی کہ زمانے کے دل کو حسن کا نذرانہ دے کر موہ لے، اسے چھین لے!
واہ! تو نے اپنی اس نذر اس تحفہ کو کیا ہی دلفریب بنایا—
موت، جو کہ شکل و صورت سے مبرّا تھی،
تو نے اسے لازوال حسن مجسم عطا کیا!
واہ! تو نے اسے کیا ہی دلکش بنایا!
لیکن آہ! آنسو بہانے کے لیے زمانہ میں فرصت نہیں،
اشک ریزی کی مہلت نہیں!
جبھی تو نے اپنے نہ تھمنے والے آنسوؤں کو سکوت مرمریں کے جال میں پھانس کر رکھ دیا!

اس آسمان تلے،
چاندنی کی خاموش عبادت گاہ میں،
تو اپنی محبوبہ کو جس نام سے آہستہ آہستہ اپنے دل ہی دل میں یاد کیا کرتا تھا،
وہ نام اور اس کی تاج آج ہر کسی کے کان میں گونج رہی ہے!
اے شہنشاہ! اے شاعر! وہی تیرے دل کی آرزو کی تصویر، کسی کے حسن دلآویز کی یاد—
اس عظیم الشان،
سراپا اطمینان،
مجسمۂ مرمریں میں باقی رہ گئی ہے!
یہی تیرا پیغامبر،
یہ بے مثل شعر،
یہ بے نظیر وزن، لاجواب ترنم،
آسمان کی طرف سدا پرواز کر رہا ہے، جہاں تیری محبوبہ کی آرام گاہ ہے!
وہ صبح کے منظر رنگین کے انعکاس میں ہے!
شام کی تھکی ماندی گہری سانس میں ہے، جو افق مغرب پہ چھائی ہوئی ہے!
پورے چاند کی چاندنی کے کھیت میں چھٹکنے والے موتیا کی ملاحت بے پایاں میں ہے!
وہ اس غیر مرئی نا قابل بیان فردوس میں ہے،
جہاں سے تشنۂ دیدار آنکھیں بار بار نامراد لوٹ آتی ہیں!
تیرا یہ بے زبان پیغامبر، حسن کا پتلہ — تاج محل،
ہر زمانہ میں زمانہ کے پہرہ دار کی نگاہ بچا کر، تیرا پیغام لے کر چلا ہے:

''بھولا نہیں، میری جان میں تجھے بھولا نہیں''!

شہنشاہ! آج تو اس دنیا میں نہیں!
تیری سلطنت ایک خواب شیریں کی طرح اُڑ گئی!
تیرا تخت آج باقی نہیں!
تیرا لشکر، جس کے قدموں کی دھمک سے زمین کے توازن میں خلل آجاتا تھا، دنیا ڈانوا ڈول ہو جاتی تھی،
آج اس تمام جاہ و جلال کی یاد دہلی کی سڑکوں کے گرد و غبار میں اڑتی پھرتی ہے!
تیرے درباری، مصاحب، تیری بارگاہ کے شاعر آج تیری مدح میں قصیدہ خواں نہیں!
جمنا کی لہروں کی تال سے تیرے محل کی نوبت کی تال نہیں ملتی!
محل کی حسین رقاصہ کی پازیب کی جھنکار ویران محلوں کے گوشوں میں خاموش پڑی ہے!
اور آج وہاں جھینگروں کی کرخت آواز کی گونج سن کر،
اندھیری رات کا تاریک آسمان اپنی قسمت پر پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے!
تیرا قاصد، جسے تکان کبھی اپنی خدمت سے برگشتہ دل نہیں کرتی —
بادشاہوں کی سلطنتوں کے بننے اور بگڑنے سے جسے سروکار نہیں —
جو زمانہ کی تعمیر و تخریب کو کسی گمان میں نہیں لاتا —
زندگی اور موت کی دستبرد سے جو آزاد ہے،
اپنے نغمۂ دلگداز سے عالم کو محو غم کیے ہوئے ہے،
تیرے اس قاصد کا پیغام — تاج محل کی فریاد،

سدا کے فراق زدہ شہنشاہ کا پیغام ہے:
''بھولا نہیں، میری جان میں تجھے بھولا نہیں!''
غلط ہے، کون کہتا ہے تم بھولے نہیں؟
یہ کس نے کہا کہ محبوبہ کی یاد کے قفس کو کھول کر تو نے یاد کے پرندے کو اڑ جانے نہیں دیا؟
تو نے محبوبہ کی یاد کے پرندے کو اڑ جانے نہ دیا؟
ماضی کا افق مغرب جو سدا ایک عالم تاریک و تار ہے، تیرا دل آج بھی اس کی زلف سیہ کے پیچ میں اٹکا ہے؟
فراموشی کی سدا کھلی راہ پر وہ نکل نہیں گیا؟
مزار، مزار تو سدا ایک جگہ پر قائم ہے!
تربت کی گہری تاریکیوں میں چھپا ہے!
اور تربت موت کو اپنے کفن کے پردہ میں ڈھانپ کر رکھتی ہے!
لیکن زندگی؟ زندگی کو کون روک سکتا ہے، کون ٹھہرا سکتا ہے؟
آسمان کا ہر ستارہ! سے اپنی راہ بربلا رہے: چلے آؤ!
عالم عالم میں زندگی کو دعوت ہے!
زندگی کے ہر نئے مطلع صبح میں اسے بلاوا ہے!
یاد کی گرہ ٹوٹ جاتی ہے، وہ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے،
فراموشی کی کھلی راہ میں کھو جاتی ہے!
شہنشاہ! تجھے دنیا کا تاج و تخت اپنی آغوش میں سنبھال کر نہیں رکھ سکا،
سمندروں کی پرورش کی ہوئی یہ زمین، اے عظیم الشان! تیری زندگی کے لیے ناکافی ثابت ہوئی،

جبھی تو اس دنیا کو زندگی کی رنگین محفل سے برخواست ہوتے وقت دونوں پاؤں سے ٹھکرا کر چل دیا!

تو خود اپنے اعمال کی بزرگی سے کہیں بزرگ تر ہے،

جبھی تیری زندگی کا رخش تیز گام بار بار تیرے اعمال اوران کے نتائج کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتا ہے!

جبھی تیرا نشان یہاں باقی رہتا ہے اور تو خود یہاں نہیں رہتا!

وہ دلبستگی جو آگے بڑھ نہ سکے نہ بڑھا سکے،

جس عشق نے اپنا تخت سر راہ رکھ دیا ہو،

اس عشق نے جس لطف اور عشرت سے تیرا استقبال کیا، وہ راستہ کی دھول کی طرح تیرے پاؤں سے لپٹا رہ گیا تھا،

تو نے اسے اپنے پاؤں کی گرد کی طرح جھاڑ کر راستہ کے حوالہ کیا!

مگر تیرے پیچھے کی راہ کی گرد میں، تیرے دل کا ایک ٹکڑا نہ معلوم کب گرا تھا،

وہ گویا تیری زندگی کی مالا کا ایک بیج تھا، جو کھل کر گر پڑا!

تو خود تو بہت دور جا چکا ہے،

لیکن وہ بیج ایک لازوال پھول کی صورت میں کھلا ہے!

آسمان کی طرف منہ اٹھائے کھڑا ہے!

اس کے نغمہ کی تان پکارتی ہے:

"جس قدر دور بھی نگاہ ڈالتی ہوں، وہ مسافر خود تو کہیں نہیں!

اس کی محبوبہ اُسے روک نہ سکی،

تخت و تاج نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا، اس کی راہ میں حائل نہ ہوا،

کوہسار اور قلزم آگے سے ہٹ گئے،

آج اس کا راہوار، شب تار کی خاموش گونج میں سے، سیاروں کی تان پر اڑتا ہوا،
مطلع صبح کی طرف رخ کیے چلا جارہا ہے!
جبھی میں آج یہاں محبوبہ کی یاد کے بوجھ تلے پڑی ہوں،
اور وہ جو اس بار سے آزاد ہے یہاں نہیں!"

□□□

(بولاکا)

۳۷

اے عورت!

تو صرف پروردگار ہی کی آفرینش کا نمونہ نہیں،

تیرے بنانے میں انسان کا بھی ہاتھ ہے!

اس نے تجھے اُس حسن سے آراستہ کیا جو اس کے دل میں تھا!

شعرا نے اپنے فکر رسا اور اپنی زریں تشبیہات سے تیرا لباس بن کر تجھے پہنایا ہے!

اور اس طرح انھوں نے تیرے حسن میں چار چاند لگائے ہیں!

بت تراشوں نے اپنے شاہکاروں میں تیری ذات کو جاودانی زندگی عطا کی ہے!

گونا گوں رنگ، طرح طرح کی خوشبوؤں اور مرصّع زیوروں سے تجھے آراستہ کیا،

موتی سمندروں کی تہہ سے،

گوہر کانوں کی گہرائیوں سے،

تیری آرائش کے لیے مہیا کیے گئے!

تیرے سنگار کے لیے گلستانوں سے پھول آئے،

اور تیرے حنابستہ پاؤں پر ان کی زندگی، ان کے حسن کو نثار کر دیا گیا!

جامۂ شرم و حیا سے، جواہرات سے مرصع و رنگین لباس سے تجھے سجایا ہے!

تو اس قدر کمیاب ہے کہ تجھے چھپا کر رکھتے ہیں!

آرزو کی روشنی کا عکس تیری ذات پر آ کر پڑا ہے!
تو نصف عورت ہے اور نصف تصور محض!
اے عورت! تو صرف پروردگار ہی کی آفرینش نہیں!

□□□

(شورنا توری)

۳۸

راہ!

میں راہ ہوں، دور دور ملک ملک میں پھرتی پھراتی گھوم پھر کر دروازہ کے باہر آن کھڑی ہوتی ہوں!

گھروں کے اندر طرح طرح کے تخیلات اور سوچ بچار کا سلسلہ جاری ہے!

مجھے کبھی کبھی ان گھروں کی چار دیواری کے اندر کے تخیلات کا ایک آدھ بے معنی ٹکڑا مل جاتا ہے،

گھر کے اندر سے بند کھڑکی کے شگاف میں سے روشنی میری گرد پر کچھ لکھ دیتی ہے—

نامکمل سی ایک تحریر!

زندگی کی اس منزل گہ میں کیا کچھ ہے، کتنے کوچے ہیں، محلے ہیں، منزل پر منزل کھڑی ہے، بالا خانہ ہیں!

میں بدنصیب ہوں، ایک طرف پڑی ہوں!

سب کے نزدیک ہوں، جب بھی بہت دور ہوں!

میں نظر نہیں مطمح نظر ہوں!

نشان نہیں، نام و نشان کے ماورئی ہوں!

میری ابتدا نہیں انتہا نہیں!

دنیا کی بزم طرب میں جسے شرکت کا پروانہ مل جائے میں اسے لا کر یہاں پہنچا دیتی ہوں!

اس پروانہ کے ٹکڑے بالآخر میرے سینہ پر آ کر گرتے ہیں،
میں گرد و غبار میں انھیں ملا کر، آندھی طوفان کے چکر میں لا کر اڑا دیتی ہوں!
گزرے ہوئے زمانوں کی مدتوں سے بھولی ہوئی باتوں کی ایک مالا پروتی چلی جاتی ہوں،
چلی جاتی ہوں!
سب جسے منہ سے کہتے تو ہیں پر کسی کے منہ سے سنتا کوئی نہیں،
جسے سبھی کہتے ہیں، ہاں میں جانتا ہوں، میں وہی ازلی پیغام ہوں!
اے تاجر کے مال و متاع لے جانے والی گاڑی، اور اے بادشاہ کی سواری!
میں راہ ہوں، گزر کر بھول جانے والی راہ!
درد و غم، مصیبت و الم سب کا نام و نشان مٹاتی چلی جاتی ہوں!
میرے پاس کچھ رہتا نہیں!
میں غم اور خوشی میں ہر کسی کو لیے جاتی ہوں!
برے بھلے دن میں نہیں سمجھتی،
میں تارک الدنیا ہوں، جوگی ہوں!
معلوم نہیں بار بار یہ سبز گھاس میرے کنارہ کہاں سے آتی ہے،
اور آ کر چلی جاتی ہے!
وہ بھی چلے جاتے ہیں جو اسے روندتے چلے جاتے ہیں!
اس عجیب و غریب اور دل فریب دنیا میں میں بھی عجیب ہوں!

خالی اور سادہ ہوں،

میرے پاس کچھ رہتا نہیں!

راہ پر کوئی بیٹھتا نہیں، تاخیر کسی کو گوارا نہیں!

میرے بائیں ہاتھ سر سبز کھیت ہیں تو دائیں ہاتھ آبادی،

زندگی میرے دونوں ہاتھ زمانۂ حال کا دامن پکڑے کھڑی ہے!

میں تمام زمانوں کی زنجیروں سے آزاد ہوں—

درمیان سے گزر جاتی ہوں!

مستقبل کی طرف رخ کیے چلی جاتی ہوں،

سدا چلی جاتی ہوں!

جبھی میں بے برگ و بار ہوں!

میرے پاس کچھ رہتا نہیں!

میں کچھ چاہتی نہیں، نہ کسی کی تلاش میں ہوں،

مجھے بھول جانے کے لیے مسافر بھی گیت گاتے ہوئے گزر جاتے ہیں!

میں کسی کو روک نہیں سکتی،

وہ گانا بھی میرے ہاتھ نہیں آتا جو مسافر گاتے چلے جاتے ہیں!

میری دھول پر سے جب بادِ بہار کا گزر ہوتا ہے تو پھول نہیں کھلتے!

زندگی میں سخت خسارہ اٹھانے کے بعد جب کوئی کنگال میری دھول پر آ کر آسن جماتا ہے تو ایسے مسافروں کا زادِ راہ ان کی منزل کے قریب ہی پڑا رہ جاتا ہے!

مسافر اسے میری خاک پر سے اٹھا لیتے ہیں!

میں بے نوا ہوں، مفلس ہوں!

مجھے کسی سے دلبستگی نہیں!

مجھ پر سب سخت گیر ہیں!
یہ صرف بھولے بچے ہیں جو مجھے پہچانتے ہیں!
مجھے وہ قید و بند سے آزادی اور چھٹی کی صورت میں پہچان لیتے ہیں!
اپنے گھروں سے باہر آکر وہ میرے پاس آتے ہیں!
روک ٹوک، کسی بات کا حکم، کسی بات کی تنبیہہ وہ میرے یہاں نہیں پاتے!
میرے پاس گھر کی ضروریات کا سامان بھی نہیں!
دنیا کے خالق کی طرح یہ بچے بھی خلا کو اپنے کھیل سے بھر رکھتے ہیں!
صرف بچے ہی مجھے سمجھتے ہیں!
بربادی کی دھول سے وہ نئی آبادی کی صورت پیدا کرتے ہیں!
میری مٹی سے وہ بے بنیاد گھر بنا کر اپنا وقت کاٹتے ہیں!
جس کے دام نہیں، جس کی قیمت نہیں، وہی کچھ ان کے لیے بے بہا کھیل کا سامان پیدا کرتا ہے!
بنانا اور بگاڑنا ان کا کھیل ہے!
اسی کھیل میں ان کا دل لگتا ہے!
یہی کھیل وہ مجھ سے کھیل سکتے ہیں!
جبھی وہ مجھے چاہتے ہیں!

□□□
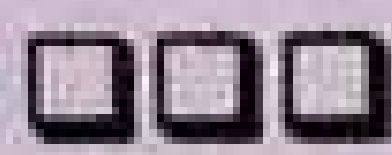
(پوروبی)

۳۹

نوخیز کی تاخت!

اے میرے نوخیز! سرسبز نادان!
اس ادموئی مخلوق کو تو اپنی طفلانہ ٹھوکر سے ہوش میں لا،
موت سے بچا!
صبح زندگی کی سنہری روشنی کی مے سے تو سرشار ہے،
پرواہ نہ کر جو کچھ بھی تجھے یہ کہیں!
بزرگانہ مباحث کا طفلانہ اٹھکھیلیوں سے خاکہ اڑانا تیرا شیوہ ہے!
اے میرے شریر!
اٹھ کر ناچ اور انھیں بھی رقص میں لا!
میرے نوخیز! آتش کے پرکالے! ادھر آ!
قفس ہوا میں آہستہ آہستہ جھول رہا ہے، اور کسی چیز میں حرکت نہیں!
ان کے گھروں پر سکوت مرگ چھایا ہوا ہے!
اور وہ جو پختہ سال بوڑھے ہیں،
ان کی آنکھیں بوجھل پلکوں کے پروں کے نیچے مندی ہیں
وہ غنودگی کی پینک میں ہیں،

نقش بر دیوار، خاموش اور بے حس و حرکت ہیں!
اندھیرے میں یہ پنجرے کے اندر بند پڑے ہیں!
اے نئی پود کے علمبردار! میرے بے سمجھ نادان! ادھر آ!
باہر اس کھلی دنیا کی طرف کوئی نہیں دیکھتا،
کوئی نہیں دیکھتا کہ دریا میں جوار آیا ہے،
موجیں سمندر میں اٹھ رہی ہیں، کوئی نہیں دیکھتا،
یہ زادگان خاک مٹی پر پاؤں رکھ کر چلنا پسند نہیں کرتے،
بانسوں کے اونچے مچانوں پر سب اپنی جگہ اٹل بیٹھے ہیں!
آؤ میرے بے قرار! زندگی کے ثمر نارسیدہ! ادھر آ!
یہاں ہر کوئی تجھے ٹوکے گا، منع کرے گا،
اچانک جب وہ تیری چکا چوند روشنی کی چمک دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے:
کیا غضب ہے؟ یہ کیا شرارت ہے؟
تجھ سے ٹکرا کر وہ بھڑک اٹھیں گے،
اپنے بستر چھوڑ تیرا پیچھا کریں گے!
یوں جب وہ جاگ اٹھیں گے تو حق و باطل میں جنگ چھڑ جائے گی!
اے میرے شجاع! میرے سدا سرسبز! ادھر آ!
زنجیروں کے دیوتا، قید و بند کے خداوند کا وہ مندر کیا سدا یوں ہی کھڑا رہے گا؟
سراپا دیوانے! دروازہ پٹک، آندھی کی طرح اپنا پرچم اڑاتا ہوا اندر آ!
اپنے قہقہوں سے آسمان کا سینہ پھاڑتا ہوا چلا آ!
ہر طرح کی غلطیاں، فروگذاشتیں چن چن کر نکال اور اڑا دے!
آ اے میرے سرمست آزاد! میرے نوخیز! ادھر آ!

کشاں کشاں انھیں اپنی راہ پر لا،
آزادی کی راہ پر انھیں آزاد کر کہ نامعلوم استقبال کی راہ اختیار کریں!
یہ دیکھتے ہوئے کہ تیرے لیے مصائب ہیں، سزائیں ہیں،
زندگی تیرے سینہ میں خوشی سے ناچ رہی ہے!
ان کتابوں کے پابند، رسم ورواج کے دینداروں پر راہروی کے قانون واضح کردے!
آ اے میرے آزاد! ثمر نارسیدہ! ادھر آ!
اے جاودانی سرور وشباب کے سرمایہ دار!
جو کچھ پرانا اور فرسودہ ہے اسے پھینک!
غیر فانی زندگی کو دنیا میں چاروں طرف لٹادے!
تیرے سرسبز حسن کی شادابی سے دنیا پر آج صبح کا عالم ہے!
طوفانی بادلوں کی بجلی میں تیری ہی زندگی کی تڑپ ہے!
اور بہار کے بے قرار جوبن کے پھول تیرے ہی حسن کے رہین منت ہیں!
آ اے میرے لازوال! سدا سرسبز! ادھر آ!

□□□

(بولاکا)

۴۰

اپنی گرفت کو مضبوط رکھ، محکم پکڑے رہ!
فتح تیرے ہی لیے ہے!
دیکھ! تاریکی آہستہ آہستہ کٹتی چلی جارہی ہے، اب خوف نہ کھا!
مشرق کا سینہ چاک ہوا!
گھنے جنگل کی تاریکی سے، وہ دیکھ! صبح کا ستارہ نمودار ہوا!
اب تجھے خوف کس اندھیرے کا ہے؟
ان پر تو خواب گراں کا غلبہ ہے!
انھیں اپنی ذات پر اعتماد نہیں!
ناامیدی،، جمود اور شک وتذبذب!
یہ تو صبح کے نور کی پیدائش نہیں!
باہر آ! دوڑ، مشرق کی طرف نگاہ اٹھا!
آسمان صبح کے نور سے معمور ہوا!
اب خوف نہ کھا، فتح تیرے ہی لیے ہے!

□□□

۴۱

میرے آقا! جب گانے کے لیے تیرا ارشاد ہوتا ہے تو فخر سے میرا دل سینہ میں نہیں سماتا!

مَیں اپنے آپ کو بھول جاتا ہوں، تیری طرف دیکھتا رہ جاتا ہوں،
اور آنسو میری آنکھوں میں بھر آتے ہیں!
میری زندگی میں جو کچھ سخت اور ست ہے وہ تیرے نغمہ کے آب حیات کے بہاؤ میں آ کر بہہ جاتا ہے!
میری دعا طائرِ نغمہ سرا کی طرح آسمان میں پر پھیلا کر پرواز کرتی ہے!
میرا گانا تجھے دل سے بھاتا ہے!
میں جانتا ہوں یہ میرا نغمہ ہے جس کی پرواز مجھے تیرے قدموں تک پہنچا سکتی ہے!
میں تیرے حضور میں اپنے گیت گاتا ہوں!
میرا دل تجھ تک نہ پہنچ سکا—
میرے دل سے نکلنے والے نغمہ نے تیرے پاؤں چھو لیے!
میں اپنے گیت کی تان میں اپنے آپ کو کھو بیٹھتا ہوں!
اور تجھے کہ تو میرا آقا ہے، محبوب کہہ کر پکارتا ہوں!

□□□

(گیتانجلی)

۴۲

یہ بات قرار پائی تھی کہ ہم تم دونوں اکیلے ایک کشتی پر سوار سمندر میں چلے جائیں گے!
کہیں نہیں، یونہیں نکل جائیں گے!
ان تینوں عالموں میں کسی کو خبر تک نہ ہو گی کہ ہم کہاں چلے؟
کہاں چلے اور کس ملک کو چلے؟
اس اتھاہ سمندر کی تنہائی میں تجھے اپنے گیت سناؤں گا!
میرے نغمے سمندر کی موجوں کی طرح بندشوں سے آزاد بہتے چلے جائیں گے،
اور تو انھیں خاموش مسکراتا ہوا سنے گا!
شاید ابھی وقت نہیں ہوا،
ممکن ہے میرے کام ابھی باقی ہوں!
دیکھو! شام کی تاریکی ساحل پر آ کر پھیل گئی!
تاریکی روشنی سے آن ملی،
دریائی پرندے اپنے آشیانوں کو لوٹ آئے،
سب لوٹ آئے، اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ آئے!
مگر تو کب اپنی کشتی لیے گھاٹ پر آئے گا کہ مجھے ساحل کے بندھنوں سے آزاد کرے؟

ڈوبتے ہوئے آفتاب کی آخری کرنوں کی طرح،
ہماری کشتی اندھیرے میں بہتی چلی جائے گی—
یونہی بہتی چلی جائے گی!

□□□
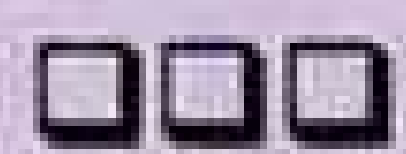
(گیتانجلی)

۴۳

جہاں سب سے حقیر، نادار سے نادار اور بے نوا کا ڈیرہ ہے،
میرے آقا! وہاں تو ان کا ساتھی ان کے ساتھ ہے۔
سب سے پیچھے، سب سے نیچے، سب کچھ کھوئے ہوؤں کے ساتھ ہے!
میں جب چاہتا ہوں کہ تیرے حضور میں جبہ سائی کروں،
تو معلوم نہیں میرا سجدہ اپنی رسائی میں کہاں تک پہنچ کر رہ جاتا ہے!
جہاں تو دنیا کے دھتکارے ہوؤں کے ساتھ ہے،
میرا سجدہ اس مقام پر تجھ تک پہنچنے سے قاصر ہے۔
جہاں تو سب سے پیچھے، سب سے نیچے، سب کچھ کھوئے ہوؤں کے ساتھ ہے!
ہماری نخوت کو وہاں دخل نہیں،
جہاں تو نادار کے چیتھڑے پہنے ہوئے بیکسوں میں بیکس ہے،
جہاں تو ہر بے نوا کا ساتھی ہے،
وہاں تک میرے دل کی رسائی نہیں۔
جہاں تو سب سے پیچھے، سب سے نیچے، سب کچھ کھوئے ہوؤں کے ساتھ ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۴۴

اے میرے بدنصیب وطن!
جنھیں تونے بے عزت و بے آبرو کیا ہے،
ان کی ذلت میں ذلیل ہو کر تجھے انھی کے برابر ہونا پڑے گا!
جن کی انسانیت کے حق کو تونے چھین لیا ہے،
اپنے روبرو کھڑا رکھ کر جنھیں تونے اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ تک نہ دی،
ان کی بے آبروئی میں تجھے بے آبرو ہونا پڑے گا!
تونے نفرت سے انسان کے جسم کو اپنے جسم سے چھونے نہ دیا،
انسان کو تونے اپنے پاس سے دھتکار دیا—
انسانیت کے پروردگار کو تونے آئے دن اپنی نخوت سے ٹھکرا کر ذلیل کیا،
قہر اور قحط و وبال کے عالم میں تجھے بھی ان کا شریک ہونا پڑے گا!
تجھے بے آبروی میں ان کے ساتھ بے آبرو ہونا پڑے گا!
اپنی بلند مسند پر سے جب تونے انھیں دھتکار دیا،
تو ظالم تونے اپنی قوت بازو کو ذلیل کر کے اپنے گھر سے نکال دیا—
وہ قوت پاؤں میں پائمال ہوتی ہے،
اس کی زندگی سڑک کی دھول میں کٹتی ہے!
اسی پستی میں، قعر مذلت میں اتر آ!

کود پڑ— تیری سلامتی کی اور کوئی راہ نہیں!

ذلت و بے آبروئی میں تجھے سب کا شریک ہونا پڑے گا!

تو نے جنھیں نیچے گرادیا ہے وہ تجھے بھی اپنی پستی میں لے مریں گے!

تو نے جنھیں پیچھے پھینک دیا ہے وہ تجھے بھی پیچھے کھینچیں گے!

جہل کی تاریکی میں تو نے انھیں ڈھانپ رکھا ہے،

تیرے نصیبوں پر بھی اسی تاریکی کا سیاہ پردہ پڑا ہے!

ہاں بے آبروئی میں تجھے بھی سب کا شریک ہونا پڑے گا!

سیکڑوں صدیوں کی ذلت و بے آبروئی کے بارگراں کے سبب انسان اپنا سر اوپر اٹھا نہیں سکا!

تجھے شرم نہیں آئی، تو نے دیکھا نہیں؟

بے کسوں کا معبود ان کے ساتھ گرد و غبار میں اٹا ہے!

موت کا پیغامبر تیرے دروازہ پر کھڑا ہے!

تو نے اسے بھی دیکھا نہیں؟

اگر تو سب کے ساتھ نہ مل سکے تو الگ ہو جا!

اپنی خودی اور رعونت میں پابزنجیر دور کھڑا رہ

کہ موت کی قلب سوز آگ کے شعلوں میں جل بھن کر،

راکھ ہو کر، تجھے سب کے ساتھ مل کر ایک ہو جانا ہوگا!

□□□
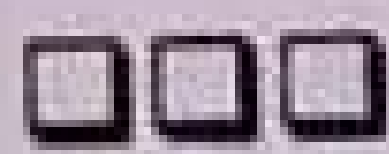
(گیتانجلی)

۴۵

اس ابر شگاف علم کو دیکھ!
وہ اپنی فلک پیما سواری پر سوار، خود ہماری ہی راہ کا مسافر ہے!
سب آؤ متحد ہو کر یک بار حملہ آور ہو، زمانہ کی رتھ کو کھینچو!
گھروں کے چھپے کونوں میں کہاں دبکے بیٹھے ہو؟
نوع انسانی کے اس جمگھٹے میں کود پڑو،
نعرہ زن ہو کر اپنی جگہ پر قبضہ کرو!
اور ذاتی کام جو تمھارے ہیں وہ رہیں، ان کو آج بھول جاؤ، دل میں نہ لاؤ!
کھینچو! اس زمانہ کی رتھ کی رسیوں کو مضبوط پکڑو،
کھینچو—
اپنی حقیر زندگی کی امید سے ہاتھ دھو کر کھینچو!
اور دھوپ ہو یا چھاؤں،
ہر نگر ہر گاؤں، میدانوں اور پہاڑوں سے گزر جاؤ!
یہ سر پر آسمان جو گردش میں ہے،
اس کی گردش کی گونج تمھیں اپنے سینہ سے اٹھتی سنائی نہیں دیتی؟
تمھارے دوران خون میں کیا اس گردش چرخ کی پیدا کی ہوئی حرکت موجود نہیں؟
موت کو شکست دینے کی ہمت کیا دلوں میں موجزن نہیں؟

تمنا کی بھوک کیا سیلاب کی طرح تمھارے استقبال پر چھا نہیں گئی؟
دیکھ اس کی فلک پیما سواری پر اس کے ابر شگاف علم کو دیکھ!
وہ خود بھی ہماری ہی راہ کا مسافر ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۴۶

کالی کالی گھٹاؤں میں یہ سفید ہنسوں کی ڈار!
آشیانوں کو خیر باد کہہ کر سفر کو نکلنے والوں کا یہ قافلہ دیکھ—
مجھ تارک الدنیا کے دل کے راز کو گویا اپنی پرواز کی تان میں گاتا چلا جا رہا ہے!
یہ کس راگ کا الاپ ہے جو دور سے سنائی دیتا ہے؟
یہ کس نغمہ کی کشش ہے جس نے ان کے دلوں کو خوف سے آزاد کر دیا ہے؟
یہ کس چمن سے ہو کر آنے والی نڈر دیوانی ہوا ہے،
جس کی اکساہٹ نے ان کے بازوں کو اس دیوانی پرواز پر آمادہ کیا؟
ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی ہے!
ان کے دلوں سے خوف غائب ہے!
جو آنکھوں سے اوجھل ہے، ان کی نگاہ اسی پر جمی ہے!
پیچھے کی طرف گردن موڑ کر یہ نہیں دیکھتے!
وہی، جسے انھوں نے کبھی دیکھا تھا،
آج اسی نے انھیں پکارا ہے!
نامعلوم راستہ پر سفر سے یہ چوکتے نہیں!
آج اس دن کے تمام ہونے پر یہ کونسی شب وصل کی یاد ہے،
جو ان کے دلوں کو یوں کشاں کشاں اڑائے لیے جا رہی ہے؟

□□□

(پروباہی نی)

۴۷

بادِ نسیم کا پیغام!

گلاب کے پھول نے کہا: ''نسیم! تیرے پیغام کو کون سمجھتا ہے؟
کیوں تو نے صبح سویرے ہی میرے دروازہ پر آ کر دستک دی؟''
نسیم نے کہا: گلاب کے پھول! میری بات سمجھو یا نہ سمجھو،
مجھے معلوم ہے تمھیں کس کے وصال کی فکر دامن گیر ہے!
صبح ہو گئی، میرے پھول میں نے تو صرف تمھیں خواب سے بیدار کر دیا!''
پرندہ نے کہا: ''نسیم! تجھے کس کی تلاش ہے؟ مجھے ذرا تفصیل سے کہہ! صبح ہوتے ہی کیوں تو نے میرے آشیانہ کو جھولا جھلا دیا؟''
نسیم نے کہا: ''پرندے! میری زبان تم سمجھو یا نہ سمجھو میں خوب سمجھتی ہوں تم کسے دل دیے بیٹھے ہو!
بس صبح کی روشنی آ کر فضا پر چھا گئی،
میں نے تو صرف اس لامحدود کا پیغام تیرے کان میں کہہ دیا!''
ندی نے کہا: ''نسیم! میں تیری بولی سمجھنے سے رہی آخر یہ بے قراری کس لیے ہے؟''
نسیم نے کہا: ندی! میری بولی تم سمجھو یا نہ سمجھو لیکن میں اس مقصودِ منتہی کو پہچانتی ہوں

جس کی تلاش میں تو سرگرداں ہے—

اسی سمندر کے مستانہ رقص کو میں نے تیرے سینہ تک پہنچا دیا،

وہی ناچ میں نے تیری لہروں کو ناچنا سکھا دیا!"

کھلے میدان نے زبان کھولی: "مجھے نہیں معلوم یہ کس کے قدم ہیں جنھیں چومنے کی مجھے عزت حاصل ہے؟"

نسیم نے کہا: "مجھے تم سمجھو یا نہ سمجھو، میں خوب جانتی ہوں تمھیں انتظار کس کا ہے؟

دیکھو! بہار آتی ہے!

میں نے تو صرف بہار کی آمد کی تان تم تک پہنچا دی!

تب سب نے کہا: "نسیم! تو بتا تیرا گوہر مقصود کیا ہے؟

ہم سے کہہ آخر تجھے تلاش کس کی ہے؟"

نسیم بولی: "میں تو مسافر ہوں!

میرا پیغام تم سمجھو یا نہ سمجھو، میں خوب سمجھتی ہوں تم سب کس کے دلدادہ ہو!

میں تو صرف آتی ہوں اور چلی جاتی ہوں!

اس ہستی کا خواب دکھاتی ہوں جو وہم و قیاس سے باہر ہے!

میں صرف گاتی ہوں!"

□□□

(پروباہی نی)

۴۸
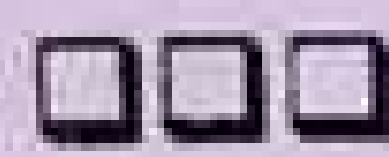
دولت گم گشتہ

اس دنیا کے خالق نے جب کائنات کی آفرینش کا کام ختم کرلیا،
اور ستارے اس نیلے آسمان کی چھت میں جگمگانے لگے،
تو اس نئی دنیا کے روبرو محفل رقص وسرود قائم ہوئی!
تمام فرشتے اس ستاروں بھرے آسمان کے سایہ کے نیچے آن جمع ہوئے،
اور خالق ارض وسماوات کی ثنا میں گانے لگے:
واہ کیا سرور ہے!
کیا حسن مکمل کی بے نظیر تصویر ہے!
کیا نغمۂ موزوں ہے!
ستارے ہیں، چاند ہے، وہ آفتاب ہے!
اس جمی ہوئی محفل میں نہ معلوم کون یک بیک چلا اٹھا!
''ستاروں کی مالا میں سے ایک ستارہ ٹوٹ گیا!''
ساز ہاتھ سے چھوٹ گیا، ستار کا تار ٹوٹ گیا! گانا بند ہوا!
اب ہر طرف تلاش اس بات کی ہوئی یہ ستارہ ٹوٹ کر گیا کہاں؟
سبھی کہنے لگے: ''اسی ستارے سے تو بہشت روشن تھا!

یہی ستارہ سب سے بڑا تھا، سب سے خوبصورت اور روشن تر!''

اس دن سے یہ دن—

دنیا اسی کھوئے ہوئے ستارہ کی تلاش میں سرگرداں ہے!

دن کے وقت قرار نہیں، رات آنکھوں میں نیند نہیں!

سبھی کہنے لگے: ''سب ستاروں کے مقابلہ میں ضرورت اسی کی زیادہ ہے!

بغیر اسے ڈھونڈے چارہ نہیں!

وہ ستارہ نہیں جبھی تو آج دنیا اندھیری ہے، اندھی ہے!''

ستاروں کی خاموش محفل سے کسی کا خاموش قہقہہ آسمان بھر میں گونج اٹھتا ہے:

''سبھی ستارے تو اپنی جگہ موجود ہیں، یہ تلاش کس کی ہے؟''

□□□

(کھیا)

(۴۹)

میں نہیں چاہتا اس خوبصورت دنیا سے چل بسوں!
میں چاہتا ہوں کہ لوگوں میں یونہی زندہ رہوں!
اگر میرا یہ زندہ دل سکے تو اس آفتاب کی روشنی میں اور اس گلشن کے گوشہ میں جیتا رہوں!
اس دنیا کے اندر جیتا رہوں، جس میں زندگی کا کھیل ایک رقص کی صورت میں سدا جاری ہے!
عاشق و معشوق کے وصال میں اور فراق میں،
کتنے ہی قہقہے ہیں، اور کتنے ہی قہقہے ہیں جو آنسوؤں میں بھیگے ہیں!
اگر انسان کے آرام و آرائش، رنج و غم سے ایک ایسا گھر نہ بسا سکوں،
تو ابدی سوز و ساز سے روشن رہے،
تم میری آرزو ہے کہ یوں ہو کہ جتنے دن مجھے اس دنیا میں رہنا ملے،
تم لوگوں کے درمیان رہوں!
طرح طرح کے پھول ہر صبح و شام کھلا کریں گے،
میں ہنستا کھیلتا ہوا انھیں چن لوں گا،
اور جب وہ پژمردہ ہو جائیں، انھیں پھینک دوں گا،
میرا دل نہیں چاہتا اس خوبصورت دنیا سے چل بسوں!

□□□

(شونچیتا)

۵۰

مجھے معلوم نہیں عبادت کسے کہتے ہیں!
جبھی تیرے دروازہ کی خاک پر بیٹھا صرف رویا کیا ہوں!
میں بے سمجھ تھا، اور جس طرح میرے دل میں آیا میں چلا آیا!
میں اندھیرے میں تجھ سے ڈرا نہیں!
لیکن یہ عارف تیرے مجھے سخت طعنہ دیتے ہیں۔
کہتے ہیں: ''تو یہاں آنے کی ٹھیک راہ سے نہیں آیا، لوٹ جا!''
میرے لوٹنے کا راستہ تو نے بند کر رکھا ہے!
تو نے مجھے اپنے بازوؤں میں باندھ رکھا ہے!
اور وہ بے کار پکار رہے ہیں: ''لوٹ جا، لوٹ جا!''

□□□
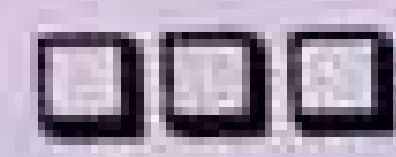
(گیت بنچاشیگا)

۵۱

اندھیری رات کے خواب کا طلسم ٹوٹ گیا، صبح ہوگئی!
میرے پاؤں کی زنجیر کا حلقہ ٹوٹ گیا، میں آزاد ہوا!
عالمگیر زندگی میں اور میری روح میں اب کوئی حجاب حائل نہیں!
میں باہر کی دنیا میں چلا آیا ہوں!
میرے دل کے کنول کی پنکھڑیاں سب کھل گئیں، سب کھل گئیں!
بندشوں کو توڑ، پردہ اٹھا تو خود سامنے آن کھڑا ہوا!
میرا دل میری آنکھوں کی راہ رودھو کر بہہ گیا!
بہہ کر تیرے پاؤں پر لوٹ گیا، لوٹ لوٹ گیا!
آسمان پر سے صبح کی روشنی کس وارفتگی سے میری طرف ہاتھ بڑھائے آرہی ہے!
میرے اس ویران گھر کے دروازہ پر فتح کے نعرہ گونج اٹھے!
اندھیری رات کے خواب کا طلسم ٹوٹ گیا!
صبح ہوگئی!

□□□

(گیتانجلی)

۵۲

خواب اور حقیقت

میں نے تجھے دیکھا نہیں، تیرا خواب دیکھا ہے!
مجھ سے پوچھتے ہیں: ''خواب کی بھی کوئی حقیقت ہے؟''
معلوم نہیں، ہو سکتا ہے مجھے کچھ علم بھی ہو، معلوم نہیں!
لیکن میری جستجو کی انتہا نہیں، میری زندگی میں تیری تلاش ابدی ہے!
میں اس زندگی میں کسی دوسری زندگی کا خواب دیکھتا ہوں!
یہ تیری آنکھوں میں وہی ازلی بہشت ہے جسے میں دیکھ رہا ہوں، جس کا خواب دیکھ رہا ہوں!
اس بہشت کے پھولوں میں ہلال اپنا راستہ کھو بیٹھتا ہے!
جب میں زندگی کے اس ساحل سے تجھے پکارتا ہوں تو اس پار سے جواب دیتا ہے!
میں کہتا ہوں یہ تیرے پاؤں کا صرف چھو جانا ہے کہ اس سراب ہستی کے ساز کے تاروں پر زندگی کی رنگین جھنکار پیدا ہوتی ہے!
شاید یہی حقیقت!
شاید یہ محض تیرا خواب ہے، میرا اپنا عقیدہ تو یہی ہے!
میں پوچھتا ہوں خواب سے بڑھ کر بھی کوئی حقیقت ہے؟

تو جو کہ میرے درد کی بستی کا بسنے والا ہے،

میرے نزدیک سے نزدیک بھی تو ہی ہے!

لیکن ہاں، تیرا یہ ساتھ میرے پاؤں میں زنجیر کا ساتھ نہیں!

خواب کی صورت میں تو انسان کی آزادی کی ایک صورت ہے!

ستاروں سے، پھولوں سے اور تجھ سے ہمارا وصال خواب ہی میں ہوتا ہے!

اے ازل سے اک غیر اور اجنبی صورت میں دکھائی دینے والے!

تجھے پہچان بھی سکتا ہوں یا نہیں؟

یہ تیرا ہی کھیل ہے جو ہماری زندگی میں کبھی خوش نصیبی کی صورت اختیار کرتا ہے،

اور کبھی تیرے کھیل کا مقصد صرف وقت کاٹنا ہوتا ہے!

تیرے ہی دھیان میں میں تخیل کے سمندروں میں سفر کرتا ہوں!

تجھے اپنے دل میں نئی نئی صورتوں میں رنگ کر دیکھتا ہوں!

بھائی میرے لیے تو یہی سب کچھ سچ ہے!

جبھی تو دل میں پالینا حقیقت ہے، اور کسی چیز کا قبضہ میں لے آنا کچھ بھی نہیں!

کیا تم نے کبھی اپنے آپ میں بھی دیکھا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟

یہ حقیقت اگر تم کسی کے حوالے کرنا چاہو تو اس کی ہتھیلی پر رکھ سکتے ہو؟

ہاں، یہی ہوسکتا ہے کہ کسی مصیبت کی گھڑی، جب درد و غم کی آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں، تو انھی شعلوں کی تیز روشنی میں تم دفعتاً اُسے پہچان لو، یہ ہوسکتا ہے!

جب درد و غم کے شعلے بلند ہوں، تمھارے نفس کا ایندھن جل کر روشنی پیدا کرے، تب ممکن ہے تم اسے پہچان لو!

تمھاری زندگی میں یہ بے اعتنائی صرف اس لیے ہے کہ ابدی زندگی تمھیں ابھی نصیب نہیں ہوئی—

اس لیے نہیں چاروں طرف سے فریب دہ دھندلکا گھیرے ہوئے ہے!
تمھارا 'اپنا آپ' باطل کے لباس میں روپوش ہو کر مصروف کار ہے!
میں کہتا ہوں وہ جو کبھی کبھی ہاتھ آ جاتا ہے تو خواب ہی کے عالم میں!
میں سمجھتا ہوں حقیقت یہی ہے!
وہ اس عالم فانی میں غیر فانی ہے، سدا بیدار ہے،
اور ابدی زندگی کی حقیقت اسی میں ہے!

وقت بہتا چلا جائے، پرانا کھیل کھیلتے وقت کٹ جائے!
یہ جو تمھیں دھوکا دے کر غفلت میں رکھنا چاہتے ہیں تو ان کی طرف سے منہ پھیر لے!
آنے جانے کی اس راہ کی دھول پر،
تو اس کے پاؤں کے نشان گنتے گنتے وقت ضائع نہ کر!
اور رائیگاں چلے جانے والے دنوں کا کوڑا کرکٹ آخر کیا ہوگا، اب میں تمھیں کیا سمجھاؤں وہ کیا ہوگا؟
بس یہ خواب ہے جو اس دارِ فانی میں غیر فانی ہے!
اور سبھی کچھ بے وفائی کرے گا!
ابدی زندگی کی حقیقت خواب میں ہے!
اپنی زندگی سے جس خواب کی تعمیر میں تم مصروف ہو وہی لامتناہی زندگی کی راہ ہے!
ابدی زندگی کی حقیقت خواب میں ہے!

□□□
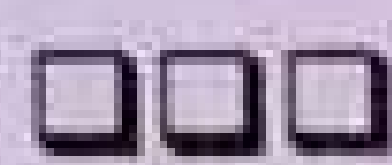
(پوروبی)

۵۳

میں ساز کھو بیٹھتی ہوں!

مطرب! جب تو نے میرے دروازہ پر آ کر دستک دی تو میں مارے شرم کے سکتہ میں رہ گئی!

ادھر اُدھر ڈھونڈتی ہوں،
میرا ساز نہ معلوم میں کہاں کھو بیٹھی ہوں؟
کالی گھٹاؤں کے اُس پار، اس دریا کے پچھم کی جانب، وہاں، دور—
افق کی چتون پر گھنگھور گھٹاؤں نے بل ڈال دیے!
جنگل میں درختوں کے پتے موسلا دھار بارش کی چھنا چھن پر جھوم جھوم کر ناچتے ہیں!
تب بادل بھی گرجتے رہے، سبھی سامان تھے،
میں سمجھتی تھی اب تو دل کے ارمان نکلیں گے،
میرے دل میں ملار جاگ اٹھے گا!
ہائے! میں سر نہ ملا سکی، تال نہ رکھ سکی،
اے مطرب دلنواز! میں اپنا ساز کھو بیٹھی ہوں!
بہار! جب تو اپنے گلے میں پھولوں کی مالا پہن کر آئی،

میں سمجھی تھی اب مجھ پر بھی تیرا کرم ہوگا!
چاروں طرف ڈھونڈتی ہوں — نہ معلوم اپنا ساز کہاں کھو بیٹھی ہوں!
صبح کے وقت جنگل میں درختوں کے سایہ کے نیچے،
باد بہار نے اچانک میرے تن بدن کو چھو کر چونکا دیا —
واہ یہ کیا سرور ہے؟
تب اس پار کے جس قدر پرندے تھے چہچہا اٹھے:
''اس پار کا گیت بھی گا سکتی ہو کیا؟''
میں نے اپنے دل میں سوچا،
میں اپنے گیت کی سروں کو پھولوں کی مہک میں ملا کر پیش کروں!
بہار اپنے شباب کے جوش میں ہے، مسرور ہے!
میں نے بھی اپنے دل میں تلاش کیا —
اور اب سرنگوں اپنے دل میں سوچ رہی ہوں:
نہ معلوم میں اپنا ساز کہاں کھو آئی ہوں!
وصل کی گھڑی اب آیا ہی چاہتی ہے!
آسمان بادلوں سے گھرا ہے!
مجھ سے پوچھتے ہیں تیرا ساز کہاں ہے؟
میں نے کہا: اے مطرب دلنواز! میں اپنا ساز کھو بیٹھی ہوں!
ڈوبتے ہوئے آفتاب نے پوربی راگ کے الاپ میں پوچھا:
اب دیر کیسی ہے؟
رنگین کرنوں کے موقع — گلاب نے جب بزم گلشن کو آراستہ کیا،
اور شام کے وقت سنکھ کی گونج کے ساتھ مغرب میں آفتاب ڈوبا،

تو آسمان پر سے شام کے ستارہ نے رقص میں آکر کہا:
ہاں! تار تار پر جھنکار! کیسے؟
رات کنگن اور شہنائی کی سروں سے گونج اٹھی،
لیکن ہائے، مجھے میرا ساز نہیں ملتا!

پھر تو درد والم کی شمع روشن ہاتھ میں لیے آیا!
اب مجھے نغمہ کی لے میں اسے ادا کرنا ہوگا!
میں نے ہر طرف دیکھا،
مگر، نہ معلوم اپنا ساز کہاں کھو آئی ہوں!
جب کام دھندے سے فراغت ہوئی: آسمان پر ستارے جگمگا اٹھے!
گاؤں اور میدان اندھیرے میں مل کر سب ایک ہو گئے!
اس وقت کشتی گھاٹ پر بندھی تھی اور چراغ تک اس میں روشن نہ تھا!
رات بھر یہ کشتی ندی کی بے قرار موجوں پر جھومتی رہی،
اب تُو آکر اس کشتی کے چراغ کو روشن کر!
تیری ہی دی ہوئی روشنی میں مجھے اُس پار جانا ہے!
میں نے تیرے نغمہ کے انداز سے سمجھ لیا ہے،
اب بادِ مراد بہنے کا وقت آپہنچا!
بادبانوں میں جنبش پیدا ہوئی!
لیکن، ہائے! اے مطرب دلنواز! میرا ساز نہ معلوم میں کہاں کھو آئی ہوں؟

□□□

(پوروبی)

۵۴

ایک آرزو!

یہ جو بڑے بڑے معرکہ کے کام میں کرتا ہوں، سچ پوچھو تو یہ میرے لیے ایسے مشکل بھی نہیں،

دنیا کی ضروریات کے مہیا کرنے میں میں نے جہان بھر کی خاک چھانی ہے،

میرے دوستوں کا حلقہ وسیع ہوتا چلا جارہا ہے،

لکھنا پڑھنا، مختلف زبانوں میں گفتگو کرنا۔۔۔

غرض کہ گرہ پر گرہ دیے جارہا ہوں، اینٹ پر اینٹ اور محل تیار ہوتے چلے جارہے ہیں!

میرے کاموں کو کوئی اچھا کہتا ہے اور کوئی برا!

مجھ پر اعتبار کر کے کوئی میرے پاس آتا ہے اور کوئی مجھے شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دور رہتا ہے!

مجھ میں کچھ خالص ہے اور کچھ ملا جلا،

غرض کہ ہو ہوا کر کچھ ہو ہی رہتا ہے!

لیکن وہ جو ایک چھوٹی سی آرزو میرے دل میں ہے،

گو سننے میں معمولی سی اور آسان ہے، پر آسان وہ نہیں!

تھوڑا سا سرور، لطیف نغمہ کی سروں میں ملا ہوا، پھولوں کی خوشبو میں بسا ہوا،
فرصت کا خمار، درختوں کے سایہ میں لیٹے ہوئے خواب دیکھنا!
خیال ہوتا ہے کہ بس چاہنے کی دیر ہے کہ میسر ہوا!
مگر جب میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں، اسے کہیں بھی موجود نہیں پاتا!

اس بے پایاں بے شکل وصورت دخانِ آسمانی میں سے خالق کائنات نے دنیا پیدا کی!
اور جب زمانوں کی محنت شاقہ کے بعد روئے زمین پر کوہساروں نے اپنا سر اٹھایا!
تو زمانوں کے اُس پوشیدہ خواب کو میں نے پھولوں کے پہلے گچھے میں موجود پایا!
بہت دنوں سے ایک آرزو تھی:
اس دنیا کے ایک گوشہ میں میں اپنے ہی آپ میں رہوں!
دولت نہیں، عزت نہیں، صرف ایک جھونپڑی کی مجھے آرزو تھی!
درختوں کا ٹھنڈا سایہ ہو، ندی کا کنارہ ہو،
شام کا ستارہ اپنی پوری آب و تاب میں سامنے چمک رہا ہو،
کھڑکی میں سے بھینی بھینی چنبیلی کی خوشبو آرہی ہو،
صبح کی روشنی بہتی ندی کے پانی کو آکر چومے،
اور ان سب کے ساتھ میری زندگی کے دکھ سکھ بھرے دن کٹ جائیں!
دولت نہیں، عزت نہیں صرف ایک جھونپڑی کی تمنا تھی!
بہت دنوں سے یہ آرزو تھی کہ اس سدا خاموش اپنے تخیل میں ڈوبے ہوئے آسمان کے پیغام کامل کو میں اپنے کانوں سے سنوں،
دولت نہیں، عزت نہیں اپنے ہی دل کا نغمہ سن سکوں!

ڈوبتا ہوا سورج بادلوں میں اپنے رنگین خواب کے رنگوں سے دن کے اختتام کی تصویر کھینچتا ہے،

اور ڈوب جاتا ہے!

خواب کے عالم میں اس روشنی اور سایہ کے ملک میں،

رنگ اور سرور کی آمیزش نے کیا سحر کاری کی ہے!

اس رنگین عالم میں اپنی زندگی کے غم اور خوشی بھرے دن کاٹ دوں!

دولت نہیں، عزت نہیں مجھے عرفان کی آرزو تھی!

بہت دنوں سے یہ میری آرزو تھی کہ یہ جو میری زندگی کی گہرائیوں میں کسی کی جستجو موجود ہے،

مجھے اس جستجو کا مقصود مل جائے!

دولت نہیں، عزت نہیں مجھے عشق کی تمنا تھی!

بس دل ہی دل کی سروں میں اسے یاد کروں،

قریب آ کر صرف ہاتھ میں ہاتھ دے دوں!

اور جب وہ پاس نہ ہو، دل ہی دل میں اس کے دھیان میں رہوں!

اور جب اس کے سامنے ہوں تو صرف آنکھوں ہی آنکھوں میں گفتگو ہو!

اس محویت کے عالم میں—

اس زندگی کے چند دنوں کا ہنسنا اور رونا یونہی گزر جائے—

دولت نہیں، عزت نہیں مجھے صرف محبت کی تمنا تھی!

□□□

(پوروبی)

۵۵
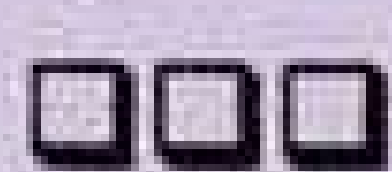
اکیلی، ایک وارفتگی اور خودفراموشی کے عالم میں بیٹھی ہو!
اوراس کنول کی پنکھڑیوں کو یونہی توڑ توڑ کر ندی میں بہارہی ہو!
ہائے، معلوم نہیں مجھے کب سے بھولی ہو!
وہ پھول جو میں خود صبح توڑ کر لایا تھا—
اور لا کر یونہی تیرے قدموں میں رکھ دیا تھا،
معلوم نہیں رخصت ہوتے وقت کب بے دھیان تو نے اسے اٹھالیا!
ایک دن کے بعد دوسرادن میرااسی طرح تیرے ہاتھوں بچ بچ کر بہا چلا جارہا ہے!
میری زندگی کے دن کیا اسی کھیل میں کھودوگی؟
کیا اسی بے توجہی کے عالم میں میری عمر گزر جائے گی؟
ہوسکتا ہے کسی شام تو مجھے چاہے اور اپنے پاس نہ پائے!
اور یونہی تیری آنکھوں میں آنسو بھرآئیں،
یہ بھی ہوسکتا ہے!

□□□
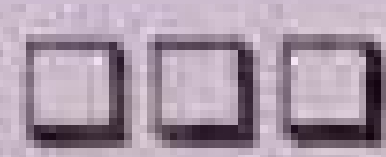
(پروباہی نی)

۵۶

چھوڑ بھی دے، یونہی مجھے اپنے آپ میں بیٹھی رہنے دے، اپنے دھیان میں چھوڑ دے!

انھی پاؤں کا چھو جانا میرے دل میں آ رہا ہے!
باتوں کی لے دے اور کام دھندے کے پھندوں میں اب میں پھنسی رہنے کی نہیں!
فقط اس کی یاد کے رنگین جواہروں کو، ایک خاموش کونے میں بیٹھی پروتی رہوں گی!
یہ جو اُس کے درد فراق کا موتی میرے سینہ میں ہے،
اُسے لے کر میں آج اس کی تلاش کو نکلی ہوں!
اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوں گی،
ان اشکبار آنکھوں سے،
اسی کی دی ہوئی دولت سے،
درد فراق کے انمول موتی سے میں اس کا سنگار کروں گی!
چھوڑ بھی دے، یوں ہی مجھے اپنے آپ میں، اپنے دھیان میں چھوڑ دے!

□□□

(پروباہی نی)

۵۷

میرے دل کا جو راز ہے اسے میری بانسری ہی جانتی ہے!
یہ راز میرے سینہ میں پوشیدہ رہا، میں نے اسے کسی پر افشا نہ کیا!
میں نے اسے بانسری ہی کے کان میں کہا ہے!
اس اندھیری رات میری آنکھوں میں نیند نہ تھی!
ستاروں ہی کی طرف تاکتے تاکتے رات کٹ گئی!
اپنے ساتھ جاگنے والے ساتھی کو میں نے پاس نہ پایا!
میں نے بانسری ہی کو اپنے گیتوں سے جگائے رکھا!
میرے دل کا بھید صرف میری بانسری جانتی ہے!

□□□

(پوروبی)

۵۸

آج میرا دل گھنگھور گھٹاؤں کی اوٹ میں آ کر کھو گیا!

کہاں بہا جا رہا ہے؟ کدھر؟ مجھے معلوم نہیں!

میرے دل کے ساز پر بجلی چمک کر جھنکار پر جھنکار بجا رہی ہے!

میرے سینہ میں بادل گرجتے ہیں!

آہا! کیا تان پر تان ہے، واہ یہ کیا تان ہے!

باغ کے گوشہ گوشہ میں گھنے بادلوں کا سایہ لوٹ رہا ہے!

میرے تن بدن کا ریشہ ریشہ خوشی سے تھرا رہا ہے!

میری روح اپنی خوشی میں پر پھیلائے فضائے بے پایاں میں محو پرواز ہے!

دیوانی ہوا کے ہاتھ میں ہاتھ دیے ناچ رہی ہے!

کھلکھلا کر ہنس رہی ہے!

آزاد ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۵۹

میرے نغمے میرے دردِ دل کے رنگین کھیل ہیں، ان کی انتہا نہیں!
دریا کا اچھلتا چھلکتا پانی جہاں درد و غم کے چکر میں آ کر سدا بھنور کی صورت گردش میں رہتا ہے،
وہاں آفتاب کی کرنیں آ کر ناچتی ہیں—
وہاں بلبلے عقدِ ثریا کی مانند شوخ و رنگین ناز و ادا کی مستی میں بے خودانہ ناچتے ہیں!
رقص کا قہرمان دیوتا قہقہہ زن ہے،
اپنی ترنگ میں جھوم جھوم کر ناچتا ہے،
اپنے رنگین کھیل میں ہمہ تن محو ہے!
اس عظیم الشان، پر شوکت و پر ہیبت آفرینش میں،
ہر پہر گردشِ عالم کے ساتھ درد کی ایک موج اٹھتی ہے اور گرتی ہے—
خود اپنے ہی رنگ میں یہ عظیم الشان رقص کائنات میں جاری ہے!
اس کھیل کا کوئی مقصد نہیں!
میرے نغمے بھی میرے درد و غم کی اٹھکھیلیاں ہیں—
ان کا کوئی مقصد نہیں، اختتام نہیں!

□□□

(پوروبی)

۶۰

میرے ساز میں آج یہ کن بے تاب نغموں کا شور ہے؟
کن نت نئی بے قرار تانوں کا؟
میرا دل خوشی سے تھرا رہا ہے!
آہا! یہ کون برق پا حسینہ ہے جو اس نیلگوں آسمان کے دل سے یوں اٹھکھیلیاں کر رہی ہے؟
جس کا آنچل فضا میں لہرا رہا ہے!
روشنی جنگلوں میں درختوں کے پتوں پر بے خودانہ ناچ رہی ہے!
اور جھینگر خوشی سے متوالے ہیں!
گنبد فلک کے نیچے بے صدا مجیروں کی جھنجھناہٹ ہے!
پھول انھی مجیروں کی تال پر رنگین نغموں کی صورت میں کھلتے ہیں!
پھولوں اور پتوں کے دل میں یہ آج کس کے قدموں سے چھو جانے کی امید ہے—
کہ گھاس کی ہر پتّی کے منہ میں زبان ہے!
ہوا آج زنجیروں سے آزاد ہے!
میرے ساز میں آج یہ کن بے تاب نغموں کا شور ہے!
کن نت نئی بے قرار تانوں کا!

□□□

(پروباہی نی)
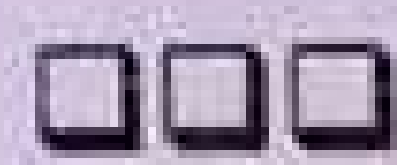
۶۱

کس بزدل کو تو ڈراتا ہے؟

یہ اندھیرا جو میرے سامنے ہے سب باطل ہے، جھوٹ ہے!

میرا اعتماد کیا بے کار ثابت ہوگا؟

تو نے اگر مجھے نیچے گرادیا تو سمجھ لے کہ اپنا ہی کام تو نے بڑھا لیا—

تجھے خود نیچے اترنا ہوگا اگر مجھے نیچے گرادیا!

تجھے میرا امتحان مقصود ہے!

بس کھیل کیا یہی ہے؟

وہ جو تیرے ہاتھ کو نہیں دیکھتے،

اور صرف تیرے ہاتھ کی سزا دیکھتے ہیں—

خوف سے انھی کی جان کانپتی ہے،

جو تیری سزا کو نہیں دیکھتے، اور دیکھتے ہیں صرف تیرے محبوبانہ ہاتھ کو،

حقیقت کو وہی پہچانتے ہیں!

کس بزدل کو تو ڈراتا ہے—

یہ اندھیرا تیرا سب باطل ہے!

□□□

(پروباہی نی)

٦٢

غیب کے پردہ میں منہ چھپانے والے!
وہی بے نظیر، ان سنی راگنی میرے دردمند دل کے ساز پر بجا!
اُس پار لے جانے والی ناؤ کے بادبانوں میں ہوا بھر گئی، ناؤ بہنے لگی!
جسے کبھی کسی نے دیکھا نہیں، آج میں اُسی کے فراق میں جل رہا ہوں!
کسی نے مجھے پکارا ہے!
میں گھر بار، خانماں کو خیرباد کہہ چکا ہوں!
میں تاروں بھرا آسمان پھاند چکا ہوں!
دیوانے! اس عالم کی افتاد کے خلاف اپنا راگ الاپنے والے!
بجا! میرے دل دردمند کے ساز پر اپنی بے نظیر، ان سنی راگنی بجا!

□□□

(گیتانجلی)

۶۳

اے بے پایاں! تیرے ہاتھوں اس محدود کائنات نے کیا ہی دلفریب صورت اختیار کی ہے!

کیا شان ہے! کیا شان الوہیت ہے!

یہ خاکی ظلمت کدہ متناہی فنا کے آتشین شعلوں سے گزر کر، پگھل کر بہہ نکلتا ہے،

اور محدود اپنی خودی کی حدود سے گزر کر لامحدود پر نثار ہو جاتا ہے!

اس بے بہا تبدیلی کے بعد وہ اس جام کی صورت اختیار کرتا ہے جو آب حیات سے لبالب بھرا ہو!

اے لامحدود! اے بے پایاں! اس محدود عالم کے ستاروں بھرے لامحدود آسمان میں میں تیرے بے پایاں وجود کے مقصد کو روشن اور رقصاں پاتا ہوں!

نسیم صبح کے جھونکوں سے پھول جھکولے کھا کر جھڑ جاتے ہیں—

یہ گویا ستارے کھوئے ہوئے آسمان کے ساز کی آخری جھنکار ہے جو زمین پر آ کر گونجتی ہے!

جاگتی رات کی تاریک راہ سے گزرتے ہوئے صبح کا چاند آفتاب کی خدمت میں اپنی سہانی اور اُداس روشنی سے ایک خاموش تسلیم بجالاتا ہے!

جب دن بھر کے کام تمام ہو چکتے ہیں تو شام کے وقت بہنے والی ہوا کے بہاؤ میں چرواہے اپنے ریوڑ لیے گھروں کو لوٹتے ہیں—

تھکا ماندہ دن جب تاریکی کے ساحل کی طرف آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہے تو غروب آفتاب کے حسن سیال کے بہتے پانی کے دھارے میں تو اسے نہلاتا ہے،

جب برسات کی گھنگھور گھٹائیں دم بھر میں موسلا دھار برس کر اپنا پانی زمین کے سینہ پر انڈیل دیتی ہیں تو پھر موسم سرما کے آغاز میں نمودار ہونے والی سرسبز زندگی کو جو دلفریب حسن تو عطا کرتا ہے وہ کیا پاکیزہ اور روح پرور ہوتا ہے!

اے بے پایاں! تیرے اس عالمگیر صحن کائنات میں تیرے رنگین کھیل جاری ہیں!

تو اپنی روشنی کی عالم افروز کشتی آسمان میں بہا دیتا ہے!

پھر دن کے آخری لمحوں کو تو ہزاروں رنگین صورتوں میں رنگ دیتا ہے!

ہاں، میں اسی کا پیاسا ہوں، اسی کا متلاشی ہوں!

اُس آزادی کے آب حیات کا سرچشمہ کہاں ہے؟

جس طرح گاؤں کی دوشیزہ دن ڈھلتے وقت پانی کی آخری ناند بھرنے جاتی ہے،

اے حسین! میں اپنی زندگی کے آخری روز اپنے آخری نغمہ کو تیرے لطف و سرور کے آب حیات کے دھارے سے بھرلوں گا!

اے قہار! تیرے ہاتھ کی چوٹ سے دفعتاً،

میرے دل سے انتہائی درد و غم، فوارہ کی طرح آزاد ہو کر چھوٹ پڑے گا—

تا کہ جو کچھ ناقص اور غیر موزوں ہو،

فنا کے آخری شعلوں میں بلند ہو کر،

قہار کے فلک دوز قہقہوں سے مل کر فنا ہو جائے—

اور محض حسن روز روشن کی طرح منور ہو جائے!

□□□

(پوروبی)

۶۴

شمع گل ہو چکی تھی اور رات سخت اندھیری تھی،
دروازے گھروں کے سب بند تھے،
میں گھر میں تنہا بیٹھا تھا!
گمان سا دل میں گزرا گویا دروازے کے باہر کوئی ہے،
خیال ہوا کسی کے پاؤں کی آہٹ ہے!
اندھیرے میں یہ شاید کسی کی پازیب کی جھنکار اڑتی ہوئی سنائی دی!
تھوڑی دیر کے لیے دل میں گزرا کہ اٹھ کر دروازہ کھول دوں،
لیکن نہ معلوم غفلت نے کب غلبہ کیا، نیند آ گئی، میں سو رہا!
خواب میں بار بار یہ دل میں آتا ہے!
''یہ مہمان میرا کون ہے؟
اکیلا کھڑا اس اندھیری رات میں میرا انتظار کر رہا ہے؟''
دل ہی دل میں کہتا ہوں! ''کچھ نہیں، یہ خواب ہے!''
عقد ثریا جب آسمان میں عین سر پر آ پہنچا،
اور رات اپنی سنسان تاریکی میں خراٹے لے رہی تھی،
خیال ہوا کسی نے مجھے کھڑکی سے اشارہ کیا ہے!
میں نے دل میں سوچا، اٹھ کر چراغ جلا دوں، لیکن غنودگی نے غفلت طاری کی اور

میں سورہا!

ایک پہر گزرنے کے بعد دوسرا پہر بھی رات کا گزر گیا،

میرے گھر کا دروازہ بند رہا!

معلوم نہیں کس وقت دفعتاً بادِ بہار کو جنبش ہوئی!

جنگلوں کے دل کو اُس نے چھو کر گرما دیا،

جنگلوں میں گنگناہٹ پیدا ہوئی،

گویا خواب میں کوئی کچھ کہہ رہا ہے!

پھولوں کی مہک آئی اور میری کھڑکی کے آس پاس اداس پھرتی رہی،

لیکن اس کے چھو جانے سے اچانک میرا تن بدن تھرا اٹھا،

جاگ کر نہ معلوم میں پھر کب سو رہا!

صبح کا ستارہ جب افق مغرب سے مشرق میں آکر ڈوب گیا—

شب وصل کے صبح ہو جانے کے بعد، رخصت چاہتے وقت،

محبوبہ کی چشم پُرنم سے گویا ایک آنسو گرا،

اور کھو گیا!

اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا گویا کسی دردانگیز نغمہ کے اثر سے سرس پھولوں کی خوشبو سے متوالے جنگلوں کے سایہ میں—

شبنم سے شرابور گھاس کی پتّیاں خوشی سے رہ رہ کر کانپ اٹھتی ہیں!

بستر خواب سے اٹھ کر میں نے دروازہ کھول دیا—

میرے گھر کے دروازے کے سامنے پھول کھلے ہیں!

ہائے! یہ کون تھا؟

ان درختوں کے سایہ میں، نظر نیچی کیے یہ آخر کون ہے؟
یہ کیا نظر کا دھوکا ہے؟
تاریکی سے اب روشنی آن ملی ہے،
اور وہ، دور — شاید یہی میرے دروازہ پر رات بسر کرنے والا مہمان تھا!
گویا کوئی سر جھکائے درختوں کے نیچے کھڑا ہے!
آج سے میرے گھر کا دروازہ سدا کھلا رہے گا،
ہمیشہ رات بھر چوپٹ کھلا رہے گا،
باہر کھڑکی پر چراغ سدا جلتا رہے گا!
یہ آج کون میری روح میں اس طرح آ کر سما گیا ہے،
جس کے انتظار میں اب سے بیٹھا جاگتا رہوں گا؟
کیا پھر کبھی کسی رات اسی طرح میرے دل میں آ کر سما جائے گا؟
رات میں کھلے ہوئے پھولوں کی مہک پر سوار،
کیا پھر وہ کسی دن میرے دل میں آ کر سما جائے گا؟

□□□

(کھیا)

۶۵

آ او دیوانے آ!

کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو بھول اور آ!

تو اس چکّر میں نہ آ، باہر نکل!

اور دیکھ جب کسی طرف کی تند ہوا کے تھپیڑے سے پردہ پھٹ جائے،

تو دیوانے ایسے موقع کو غنیمت سمجھ اور اسی پھٹے شگاف کی راہ باہر نکل آ!

ہاں، طرح طرح کے حیلے ہیں، دنیا میں ایک طوفان بے تمیزی ہے!

دل میرے! تو نہیں سمجھتا کس وقت کس طرف کو لوٹے؟

تیرے اپنے سینہ میں جو تجھے پکار رہا ہے، وہی بہتر جانتا ہے!

دیکھ، یہی اندرونی پکار تیری راہبری کرے گی—

تیرے اپنے ہی دل کی پکار تیری رہنما ہے!

ادھر آ او دیوانے!

کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو بھول اور ادھر آ!

□□□

(پروباہی نی)

۶۶

پھر آئی برسات!
گھٹائیں آسمان پر آ کر چھا گئیں!
ہوا کی مہک میں مست لڑکھڑاتی گھٹائیں پھر آئیں!
آج یہ میرا وہی اپنا پرانا دل،
خوشبو میں بسی ہوا کے جھونکوں میں مستانہ وار لگا جھومنے!
کالی گھٹاؤں کی طرف نگاہیں اٹھی ہیں!
یہ میرا دل آج اپنے آپ میں نہیں!
پھر آئی برسات، گھٹائیں آسمان پر آ کر چھا گئیں!
میدانوں پر ان گھٹاؤں کا سایہ نوخیز پتیوں پر بے خودانہ لوٹ رہا ہے!
زندگی با آواز بلند پکار رہی ہے: برسات آئی!
موسلا دھار آئی!
'برسات آئی، کا گیت ہر گوشہ سے بلند ہے!
آنکھوں میں، دلوں میں سیلاب آیا!
پھر آئی، وہ آئی، برسات آئی آسمانوں پر چھائی ہوئی!

□□□

(گیتانجلی)

٦٧

آج میرے دل کا یہ بوجھ کسی طرح نہیں اٹھتا!

بادلوں سے آسمان تاریک ہے!

میں سمجھے بیٹھی تھی وہ آئے گا، کیا وہ آیا؟ مجھے ڈھونڈا اور نہ پایا؟

ہائے! مجھے کچھ کہے بغیر اس کا چلا جانا،

میرے دل میں درد کا طوفان اٹھا رہا ہے!

آسمان بھر میں ہوا اُسے دیوانہ وار ہر طرف پکار رہی ہے!

بادلوں سے گھرے ہوئے آسمان کی گہری سانس مجھے بتا رہی ہے کہ وہ نہ لوٹے گا!

ہائے! کیا وہ آیا؟ اور سینہ میں صرف درد بھرا انتظار لے کر لوٹ گیا؟

بادلوں سے آج آسمان کیسا تاریک ہے،

میرے دل کا بوجھ آج کسی طرح نہیں اٹھتا!

□□□

(پروباہی نی)

۶۸

ایک ایک کر کے اس ستار کے پرانے تار کھول ڈال!
لے، ستار کو نئے تاروں سے باندھ!
دن کا جھمیلا ہو چکا، اب شام کی محفل سرود کا وقت آ پہنچا!
تیرا آخری گیت جو تجھے گانا ہے اب اس کے گانے کا وقت آ پہنچا!
اُٹھ، ستار کو نئے تاروں سے باندھ!
اندھیرے آسمان کی کھڑکیاں سب کھول دے،
تا کہ سوئے ہوئے عالم کا سکوت تیرے نشیمن پر آ کر چھا جائے!
اتنے دن جو کچھ بھی تو گاتا رہا، بجاتا رہا، وہ ہو چکا—
آج تیری نغمہ سرائی کی تکمیل کا روز ہے!
یہ ساز تیرا ساز ہے، آج اس بات کو ایک بار بھول جا!
لے، ستار کو نئے سرے سے باندھ!
ایک ایک کر کے پرانے تار کھول ڈال!

□□□

٦٩

میرے آنسوؤں کے دریا کے اُس پار، دور گھاٹ دکھائی دیتا ہے—
تیرے گھر کے دروازے کے سامنے!
یہاں میں اپنے ہاتھوں آپ بندھا پڑا ہوں—
آدھا میں اپنے آپ میں ہوں، آدھا کہیں باہر ہوں!
اب میں اپنی ناؤ کو شام کی ہلکی ہلکی ہوا کی رو میں بہائے دیتا ہوں!

میرا دن روزگار کرتے، لوگوں کی باتوں کا بوجھ خریدتے کٹ گیا!
اے دل! اب اس وقت تو باتوں کے بوجھ کو اتار پھینک، آزاد ہو!
سُن! اس خاموش فضا میں اُس پار سے بانسری کی آواز آرہی ہے!
اب میں شام کے وقت اسی بانسری کی تان بھری ہوا میں اپنی کشتی کو بہائے دیتا ہوں!
میرے آنسوؤں کے دریا کے اس پار، دور گھاٹ دکھائی دیتا ہے—
تیرے گھر کے دروازے کے سامنے!

□□□

(پروباہی نی)

۷۰

میرے ساتھی!

تو زندگی اور موت کی حدود سے باہر دور کھڑا ہے!

تیری بارگاہ نور سے معمور ہے!

تو آسمانوں میں ہے، زندگی اور موت کی حدود سے باہر!

میرے دل میں معلوم نہیں یہ بے حد خوشی کس بات کی ہے؟

آسمان کی طرف نگاہ اٹھی ہے!

تیری طرف دونوں بازو بڑھائے کھڑا ہوں!

میرے دوست! تو زندگی اور موت کی حدود سے باہر، دور کھڑا ہے!

□□□
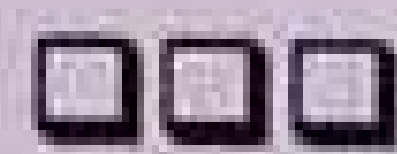
(پروباہی نی)

۷۱

تیرے دل میں وہ جو ایک تنہا ہے،
اُسے صرف دنیا کے کام دھندوں میں مصروف نہ رکھ،
کبھی کبھی گھر بار کی فکر سے آزاد ہو کر،
اس دل کی تنہائی میں بسنے والے کے نغموں کو چاروں طرف بہہ جانے دیا کر!
تو اسے اپنی ہی دنیا کی سروں میں رہنے دیا کر!
تیری زندگی میں وہ جو ایک تنہا ہے، اسے لوگوں کی بھیڑ میں نہ چھوڑ—
کوئی ایک اور 'اکیلا' تیرے اس 'تنہا' کی تلاش میں ہے،
وہی اس کے درد کو سمجھتا ہے، اسے پہچانتا ہے!
دیکھ! وہ 'اکیلا' تیرے کام دھندے کی اوٹ میں بھی اپنے ساتھی کو پہچان سکے،
دیکھ! وہ آ کر نامراد نہ لوٹ جائے!

□□□

(پروباہی نی)

۷۲

اس لیے کہ تو میرے دل میں درد کی صورت میں آیا ہے،
میں تجھ سے خوف نہیں کھاتا!
تیرے پیکان نے جہاں مجھے مجروح کیا ہے،
میں وہیں تجھے اپنے سینہ سے لگائے رکھوں گا!
تو نے تاریکی کے پردے میں اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے،
جب بھی میں تجھے پہچان لوں گا!
تو اگر موت کے بھیس میں آئے،
تو میں تیرے پاؤں پر سر رکھ کر جان نثار کردوں گا!
اگرچہ تو دکھائی نہ دے میں تجھ سے خوف نہیں کھاتا!
یہ صحیح ہے میری آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے ہیں!
تو نے مجھے اپنے سینہ سے بھینچ کر رکھا ہے—
میرے دل میں درد و غم کا طوفان ہے!
یہ میرا دکھ ہے جو مجھے بتا رہا ہے کہ میں تیرا ہوں!
کچھ کہتا نہیں، کچھ چاہتا نہیں— تیری طرف دیکھ رہا ہوں!
صرف آنسو میری آنکھوں سے موسلا دھار جاری ہیں!

□□□

(گیتانجلی)

۷۳

دن تمام ہوئے پر جب موت کا پیغامبر تیرے دروازے پر آ کر دستک دے،
تو اس کی خدمت میں کون سی دولت پیش کرے گا؟
میری زندگی کا یہ لبریز جام!
اس دن جب موت کا پیغامبر آ کر میرے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائے گا،
میں اپنی زندگی اس کے قدموں پر نثار کر دوں گا!
اس زندگی کی بہار کی راتیں اور خزاں کے دن، صبح و شام،
اور وہ لطف و سرور جو بارش کی طرح اس زندگی پر برستا رہا،
اس زندگی کے پھول، اس کے پھل جن سے میرا دل سدا بھرا رہا ہے،
دکھ سکھ کا اندھیرا اور اجالا، زندگی کا تمام اندوختہ —
میں اپنی زندگی کی تکمیل کے روز اس کے پاؤں پر نثار کر دوں گا!

□□□

(گیتانجلی)

۴۷

یوں چپکے سے منہ چھپائے میں اب تجھے نکل جانے نہ دوں گا!

بس اب میرے دل میں آ کر رہ،

کسی کو خبر نہ ہوگی، کوئی کچھ نہ کہے گا!

یہ دنیا آنکھ مچولی کا کھیل—

ابھی تُو ظاہر ہے اور ابھی کہیں بھی نہیں!

دیس پردیس تیری تلاش میں سرگرداں رہا ہوں!

اب تو میرے دل کے گوشہ میں آ!

نہیں، میں نہیں چھوڑنے کا،

یوں پردے کی اوٹ میں منہ چھپائے میں تجھے نکل جانے نہ دوں گا!

میں جانتا ہوں میرا دل تیرے پاؤں رکھنے کے لائق نہیں!

لیکن اے میرے محبوب! تیری آمد کی ہوا جب اسے چھو جائے گی،

تو کیا یہ گلاب کی طرح کھل نہ جائے گا!

کیا ہوا اگر میرے دامن میں تیری عبادت کی دولت نہیں، جسے تیری نذر کروں،

تیرا کرم تیرے پاس ہے،

تیرے لطف سے کیا پھول نہیں کھلتے؟ پھل نہیں پھلتے؟

نہیں، نہیں، یوں پردے کی آڑ میں منہ چھپائے نہ جانے دوں گا!

□□□

(گیتانجلی)

۷۵

تیرے راگ کی سروں کی آبشار جہاں لگاتار گرتی ہے، بس وہیں،
وہیں مجھے ایک گوشہ قیام کے لیے مل جائے میرے مولا!
میں بیٹھا صرف تیرے راگ کی دھن سنتا رہوں گا!
اس دھن سے میں اپنی زندگی کو بھرلوں گا!
اسی لے کے ساتھ ساتھ میں بار بار اپنے دل کے ساز کو ملا کر بجاتا رہوں گا!
رات کی خاموشی میں تیرے راگ کی سروں سے آہستہ آہستہ، میرے دل میں ستاروں کی طرح سب سُریں جگمگا اٹھیں گی—
جس طرح پھولوں میں شہد بھر آتا ہے، سریں میرے تن بدن میں بھر جائیں گی!
اور پھر جب رات کا اندھیرا چھا جائے گا،
میرے دن ختم ہو چکیں گے—
میرے دل کے آسمان میں تیری سروں کے ستارے جگمگا اٹھیں گے!
بس وہیں، جہاں تیرے راگ کی آبشار سدا گرجتی ہے،
مجھے ایک گوشہ قیام کے لیے مل جائے میرے مولا!

□□□

(پروباہی نی)

۷۶

موت کے اس چھوٹے سے دروازے سے گزرتے ہوئے تو ڈرتا کیوں ہے؟
افسوس، جس قدر تیرا حوصلہ اِس طرف بلند اور قوی ہے،
اسی قدر تجھے اُس طرف کا خوف دامن گیر ہے!
تو نے اپنی زندگی کو اس دیکھی بھالی دنیا میں پرورش کیا،
اس دنیا میں رہتے سہتے تیرے دن ہنسی خوشی کٹ گئے!
لیکن بھائی ہمارا آنا جانا کون ومکان کے صرف اسی ایک کونہ ہی میں نہیں!
اے اَن دیکھے بالآخر فتح تیری ہے!
موت سے تو ڈرتا ہے، افسوس، جبھی تیری زندگی اس قدر حقیر ہے، ناچیز ہے!
تیرے گھر کی چاردیواری تیری دودن کی زندگی کی تعمیر ہے!
اس میں اگر اتنا کچھ ہے،
تو کیا حیاتِ ابدی ہی محض نیستی سے آباد ہے؟
اے اَن دیکھے بالآخر فتح تیری ہے!

□□□

(پروباہی نی)

۷۷

اے حسین! آج صبح تو آیا تھا اور تیرے ہاتھ میں سنہرے پھول تھے!
خواب آباد کا مسافر ابھی راہ پر نہ نکلا تھا،
جب تو اپنی رتھ پر سوار آیا، اور آ کر چلا گیا!
کچھ دیر تو نے میری کھڑکی کے پاس انتظار کیا،
محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا!
آہ! اے حسین! آج صبح تو میرے گھر آیا تھا!
میری نیند نہ معلوم کس قسم کی خوشبو میں بسی ہوئی تھی!
گھر کی تاریکی نہ معلوم کسے پا کر خوشی سے کھلکھلا رہی تھی!
گرد میں اٹے ہوئے میرے ساز کو نہ معلوم کس نے چھیڑ دیا کہ جھنجھنا کر بج اٹھا!
جب میں جاگ کر باہر آیا، تو جا چکا تھا!
اب پھر شاید تجھے دیکھ نہ سکوں—
لیکن اے حسن والے! آج صبح تو میرے گھر آیا تھا!

□□□

(گیتانجلی)

۷۸
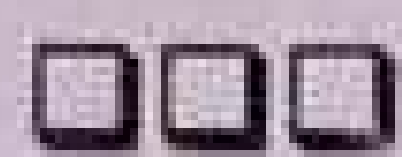
اس روز تیرے ساز میں نغموں کا شور تھا،
اور میری ڈالیوں پر پھول کھلے تھے!
ایک ہی بہار کے جھونکے نے ہم دونوں کو جھولا جھلا دیا!
کوئی نہیں کہہ سکتا اُس دن ہوا کی لہروں میں دلکشی کیسی تھی!
تیرے نغمہ کی سنہری کشتی اُس دن میرے رنگین کنارے آ کر ٹھہری! اُس دن میں نے یہ سمجھا تھا کہ تیرے راگ کی تان کے ساتھ میری زندگی میں یہ پھولوں کا کھلنا سدا یونہی جاری رہے گا!
لیکن دیکھتا ہوں کہ نغمہ کا اختتام ہے،
اور دن تمام ہوئے پر پھول مرجھا کر جھڑ جاتے ہیں!
ہائے نہ معلوم بہار کے اس رنگین کھیل میں بھول کہاں تھی!

□□□
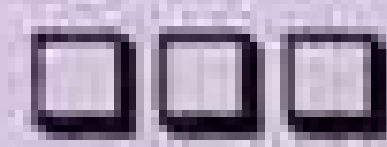
(پروباہی نی)

۷۹

میرا یہ وجود جو اس آسمان تلے زمانہ کی موجوں میں بہتا چلا جاتا ہے،
میں اسے اپنے آپ سے دور رکھ کر دیکھ رہا ہوں!
یہ مٹی اور پانی، پھولوں، پھلوں اور پتوں کے ساتھ زمانہ کی موجوں میں بہتا چلا جا رہا
ہے!
وہ جو کہ ہمیشہ باہر ہے اور غم و شادی کے رقص میں مصروف ہے،
وہ جو کہ موجیں اٹھاتا ہے اور موجوں میں ناچتا ہے،
وہ جو کہ اپنے نقصان اور خسارہ کو محسوس کرتا ہے،
غم کی چوٹ سہتا ہے،
میں اسی کو دیکھ رہا ہوں!
میں حقیقت میں کچھ اور ہوں!
وہ جو مجھ میں ہے اور اپنے آپ کو موت کے بھنور میں نہیں پھینکتا،
میں وہی آزاد ہوں!
دل کے اطمینان مطلق، قرار و نور محض کی روشنی میں اسی کو دیکھتا ہوں!

□□□

(گیتانجلی)

۸۰

لوبان چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو خوشبو بنا کر اڑا دے!
خوشبو چاہتی ہے کہ لوبان کو اپنے سینہ میں چھپائے رکھے!
نغمہ چاہتا ہے کہ سر تال کا پابند رہے،
سر چاہتی ہے کہ نغمہ کو لے کر اڑ جائے!
خیال چاہتا ہے کہ مجسم صورت میں جلوہ گر ہو،
اور صورت کی آرزو ہے کہ عالم خیال میں آزاد رہے!
خیال کا صورت میں تبدیل ہو جانا،
گرہ کا کھلنے کی فکر میں رہنا،
آزادی کا زنجیروں کی آرزو کرنا —
یہ عالم ہست و نیست میں کس کی خوشی ہے، جو کار فرما ہے؟

□□□

(اتشرگ)

۸۱
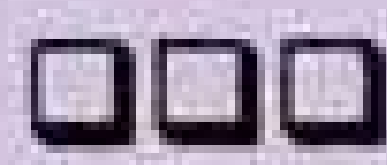
دنیا کے ساحل پر بچے کھیل کود میں مصروف ہیں!
آسمان ان کے سر پر سایہ کیے ہوئے ہے!
نیلگوں سمندر کی موجیں جھاگ اڑاتی ہوئی، ناچتی ناچتی آ رہی ہیں!
ساحل پر بچوں نے اپنے کھیل کے شور سے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہے!
وہ بالو سے گھر بنانے میں ہمہ تن مشغول ہیں!
سمندر کی سیپیاں اور گھونگھے ان کے کھلونے ہیں—
بچے اپنے ہاتھوں سے پتّوں کی ناؤ بنا کر سمندر میں بہا دیتے ہیں!
سمندر ان کی ناؤ کو موجوں پر اٹھائے ہوئے بہا لے جاتا ہے!
اس دنیا کے ساحل پر بچے کھیل کود میں مصروف ہیں!
یہ تیرنا نہیں جانتے!
پانی میں جال پھینکنا نہیں جانتے!
غوّاص موتیوں کی تلاش میں غوطہ زن ہیں،
اور تاجر اپنے مال و متاع کی کشتیاں لیے سفر کر رہے ہیں!
بچے سمندر کے کنارے صرف کوڑیاں جمع کر رہے ہیں!
اپنے بالو کے گھروں کو ان سے سجاتے ہیں!
یہ موتیوں کی تلاش میں نہیں،

پانی میں جال پھینکنا نہیں جانتے!
سمندر جھاگ اڑاتا ہوا قہقہے مار رہا ہے!
اور مسکراہٹ سی لب ساحل پر کھیل رہی ہے!
سمندر کی موجیں بچوں کے کانوں میں گیت گا رہی ہیں!
گویا ان کی ماں گہوارے کو ہلاتی ہوئی لوریاں سنا رہی ہے!
سمندر بچوں کے کھیل میں شریک ہے، محو ہے،
اور ساحل اپنی کھلکھلاہٹ میں اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہے!
اس دنیا کے ساحل پر بچے کھیل رہے ہیں!
آسمان تلے کشتیاں سمندر میں غرق ہو جاتی ہیں۔
موت کا فرشتہ سر پر منڈلا رہا ہے!
بچے اپنے کھیل میں مگن ہیں!
اس دنیا کے ساحل پر بچوں کے کھیل سے ایک شور بپا ہے!

□□□

(شیشو)

۸۲

بچّہ نے اپنی امّاں سے پوچھا:

''امّاں! میں کہاں سے آیا ہوں؟ تو مجھے کہاں سے اٹھالائی تھی؟''

ماں نے ہنستے ہوئے، بچّے کو سینہ سے لگایا، اس کی آنکھیں بھر آئیں، بولی:

''میری جان! تو میری آرزو کی صورت میرے دل کے اندر چھپا تھا!

تو میرے اس کھیل میں تھا جو میں بچپن میں کھیلا کرتی تھی!

جب میں شِو کی پوجا کیا کرتی تھی تو کتنی مرتبہ میں نے تیرے بت کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، توڑا اور پھر بنایا!

تجھے میں اپنے دیوتا کے ساتھ اُس کی عبادت کی چوکی پر بٹھایا کرتی تھی!

دیوتا کی پرستش میں تیری پوجا بھی کرتی تھی!

تو میری اُس تمنا میں موجود تھا جو ہمیشہ سے میرے دل میں تھی!

تو میرے عشق کی تپش میں تھا،

تو اپنی امّاں اور اس کی تمام پشتوں میں سدا سے موجود تھا!

ہمارے اس قدیم گھرانے میں، ہمارے گھر کے دیوتاؤں کے دلوں میں تو کب سے چھپا تھا، کوئی نہیں کہہ سکتا!

جب میں جوان تھی اور میرا دل پھول کی طرح کھِلا ہوا تھا،

اس وقت تو میرے حسن کی ملاحت میں ملا ہوا تھا!

تو میرے ہر عضو اور ہر عضو کی نزاکت میں، اس کی لطافت میں چھپا تھا!
تیرے نازک بدن کی لطافت میرے رگ وریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی!
تو ہمارے دیوتاؤں کی محبت کا سرمایہ ہے!
اے اس جہان میں نئے آنے والے! تو قدیم زمانہ میں بھی موجود تھا!
تیرا جنم صبح کی روشنی کے جنم کے ساتھ ہوا!
تو اس دنیا کا پہلا وہ خواب نوشیں ہے، جو سرور کے سیلاب میں بہتا میری گود تک آیا!
اچانک جب میری نگاہ تجھ پر پڑتی ہے، تو میں تیری ہستی کے اسرار کی تہہ تک نہیں پہنچتی!
معلوم نہیں یہ کیسے ہوا کہ تو، جو کہ ہر کسی کی دولت بے بہا تھا، میرے ہاتھ کیسے آ گیا، تو میرا کیسے ہوا؟
جب میں تجھے چومتی ہوں تو اپنے ہی دل کی آرزو کا منہ چومتی ہوں!
تو ماں کا جگر گوشہ، ماں کے دل کا ٹکڑا ہے!
ایک میٹھی مسکراہٹ کی صورت میں تو نمودار ہوا ہے!
اسی سبب میں ہمیشہ ڈرتی ہوں کہ ایسا نہ ہو تجھے کھو بیٹھوں،
میں چاہتی ہوں تجھے ہمیشہ سینہ سے لگائے رکھوں!
ایک لمحہ کے لیے تو مجھ سے دور چلا جاتا ہے، غم کے مارے میری جان کراہنے لگتی ہے!
اے میرے من موہن! میں تجھے کن زنجیروں سے باندھ کر رکھوں؟
اے اس دنیا کے انمول رتن! تجھے اِن دونوں بازوؤں میں لیے سینہ سے لگائے رکھوں!"

□□□

(شیشو)
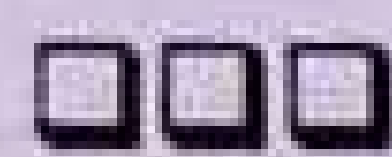
۸۳

میرے لال!
جب میں رنگین کھلونے تیرے نازک ہاتھوں میں دیتی ہوں،
تب میں سمجھتی ہوں کہ صبح کی روشنی میں بادلوں پر ان تمام رنگوں کا مقصد کیا ہے؟
اور بہتے پانی کی لہروں میں یہ رنگین جگمگاہٹ کیسی ہے؟
پھولوں کی پنکھڑیوں پر اتنا رنگ کیوں لگا ہے؟
جب میں تیرے پیارے ہاتھوں میں رنگین کھلونے دیتی ہوں—
تب ان سب چیزوں کا مقصد مجھ پر کھل جاتا ہے!
جب میں تجھے لوریاں سناتی ہوں،
تب میں سمجھتی ہوں کہ باغ میں درختوں کے پتوں میں یہ تالیاں بجا کر ناچنا کیسا ہے؟
اور یہ بہتے ہوئے گیت دریا کی موجوں میں کیوں پیدا ہوتے ہیں؟
میرے لال! جب میں تجھے لوریاں سناتی ہوں،
تب ان سب باتوں کے معنی مجھ پر واضح ہو جاتے ہیں!
جب میں تیرے ان پھیلے ہوئے لالچی ہاتھوں میں مٹھائی دیتی ہوں،
تو اس کے میٹھے رس کو تمام منہ پر مل لیتا ہے!
اس مٹھائی کے ٹکڑے کو لے کر تو گھر کے کونے کونے میں اچھلتا کودتا ہے!

تب میں سمجھتی ہوں کہ بہتی ندی کے پانی میں اتنی مٹھاس کیوں ہے؟ اور پھل کیوں اتنے میٹھے ہوتے ہیں؟

ہاں، جب میں تیرے ان لالچی ہاتھوں میں مٹھائی دیتی ہوں، تب ان تمام باتوں کا راز مجھ پر کھل جاتا ہے!

جب میں تجھے چومتی ہوں، اور یوں چوم کر تجھے ہنساتی ہوں، تب میری سمجھ میں آتا ہے کہ آسمان میں یہ مسرّت بھری لہریں کیسی ہیں کہ ان کی چھلکتی ہوئی روشنی کا عکس، ناچتا ہوا میرے جسم پر آ کر پڑتا ہے؟

اور ہوا کیوں آہستہ آہستہ میرے سینہ کو چھوتی ہوئی گزر جاتی ہے؟

ہاں یہ سب معمّے حل ہو جاتے ہیں، جب میں تیرا منہ چومتی ہوں!

□□□

(شیشو)

۸۴

اماں! اگر میں تیرا بیٹا نہ ہوتا، کتے کا پلا ہوتا!
تو تُو مجھے اپنے کھانے کی رکابی میں منہ ڈالنے نہ دیتی!
اماں! سچ سچ بتا، مجھے دھوکا نہ دے، تو مجھ سے کہتی:
''دور دور! یہ کتے کا پلا یہاں کہاں سے چلا آیا؟''
چھوڑ اماں، مجھے اپنی گود سے اتار دے!
میں تیرے ہاتھوں اب کھانا بھی نہیں کھاؤں گا،
تیری تھالی میں میں تیرے ساتھ نہ کھاؤں گا!
اماں! اگر میں تیرا بیٹا نہ ہوتا اور اگر ہوتا میں کسی طوطے کا چھوٹا سا بچہ!
تو مجھے تُو پنجرے میں بند کر کے رکھتی کہ کہیں اُڑ نہ جاؤں!
اماں! سچ سچ کہنا، مجھے دھوکا نہ دینا، جب تو مجھ سے کہتی:
''کیسا بد بخت بچہ ہے یہ!''
اماں! تو کہتی کہ میں پنجرے سے اڑ بھاگنا چاہتا ہوں!
اماں! تب چھوڑ دے مجھے، تجھے مجھ سے محبت نہیں!
میں تیرے ساتھ نہیں رہتا،
چھوڑ کہ میں کسی جنگل کو اڑ جاؤں!

□□□

(شیشو)

۸۵

امّاں! اگر میں پھول ہو کر درخت کی ٹہنی پر آ کر کھلتا،
صبح کے وقت پتّوں میں ناچتا تو تُو مجھے پہچان ہی نہ سکتی!
تو مجھ سے ہار جاتی امّاں!
تو پکارتی: ''بیٹا کہاں ہو؟''
میں چپ چاپ وہیں بیٹھا ہنستا!
اُس وقت تو جو کچھ بھی کرتی میں اپنی کھلی آنکھ سے دیکھتا!
جب تو نہا دھو کر، بال کھولے اس درخت کے پاس سے مندر کی طرف جاتی،
تو دور سے تجھے پھول کی میٹھی سی خوشبو آتی!
اور تجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہ خوشبو تیرے بیٹے کی ہے!
دوپہر کا کھانا کھا کر جب تو گیتا پڑھنے بیٹھتی،
تو درخت کا سایہ تیری پیٹھ پر آ کر پڑتا —
اور میرا چھوٹا سا سایہ تیری کتاب کے صفحہ پر پڑتا —
تو اس وقت بھی پہچان نہ سکتی کہ یہ تیرے بیٹے کا سایہ ہے جو تیری آنکھوں کے سامنے ناچ رہا ہے!
شام کے وقت جب تو دیا جلاتی،
اور گائے بھیڑوں کو گھیر لانے کے لیے باہر جاتی،

تو میں پھول ہو کر کھلنے کے کھیل کو چھوڑ زمین پر کود پڑتا!

اور پھر تیرے بیٹے کی صورت میں آ جاتا اور تجھے کہانیاں سناتا!

تو کہتی: ''شریر! تھا کہاں اتنی دیر؟''

میں کہتا: ''جاؤ نہیں بتاتا!''

□□□

(شیشو)

۸۶

میں نے صرف یہ پوچھا تھا کہ جب چاند کسی درخت کی شاخوں میں آ کر پھنس جائے،
تو کوئی ہے جو اُسے پکڑ کر نیچے اتار لائے؟
بڑے بھائی نے قہقہہ لگا کر کہا: ''تیرے جیسا بے وقوف بھی میں نے نہیں دیکھا!
چاند تو بڑی دور ہے، چاند کو کون پکڑ سکتا ہے؟''
میں نے کہا: ''بھائی تمھیں بھی کسی بات کی خبر نہیں،
جب امّاں اُس کھڑکی میں کھڑی ہنستی ہو تو تم کہو گے کہ امّاں بڑی دور ہے؟''
مگر بڑے بھائی نے ہنس کر جواب دیا: ''بچے! تیرے جیسا بے وقوف میں نے نہیں دیکھا!
اتنی بڑی پھانس کہاں سے لائیں جس سے چاند کو پکڑیں؟''
میں نے کہا: ''بھائی دیکھو تو سہی تو چاند ہے کتنا چھوٹا سا!
میں اپنی ان دونوں مٹھیوں میں اسے پکڑ سکتا ہوں!''
پھر بھائی نے یہی کہا: ''تیرے جیسا احمق بھی کبھی نہ دیکھا تھا!
اگر چاند تیرے نزدیک آ جائے تو تجھے معلوم ہو کہ وہ کتنا بڑا ہے!''
میں نے کہا: ''مدرسہ میں کیا تم خاک پھانکتے رہے ہو؟
جب ماں مجھے چومنے کے لیے اپنا منہ میرے نزدیک لاتی ہے،
تو میں نے کبھی نہیں دیکھا اُس کا منہ بہت بڑا ہو گیا ہو!''
پھر بھی بھائی نے یہی کہا: ''تیرے جیسا احمق میں نے کبھی نہ دیکھا تھا!''

□□□

(شیشو)

۸۷

مجھے ماں یاد نہیں، مگر، کبھی کبھی جب میں کھیلتا ہوں—

ایک لے سی میرے کان میں گونجتی رہتی ہے!

گویا اماں کی باتیں میرے کھیل کے گیت میں سُریں ہو کر مل جاتی ہیں!

اماں گہوارہ کو جھلاتے ہوئے لوریاں گایا کرتی تھی،

اماں چلی گئی ہے، لیکن جاتے جاتے اپنا گانا یہاں چھوڑ گئی ہے!

مجھے ماں یاد نہیں، مگر، جب بہار کے موسم میں پھولوں سے باغ بھر جاتے ہیں،

تو شبنم سے بھیگے ہوئے پھولوں کی مہک آتی ہے!

تب معلوم نہیں کیوں مجھے ماں یاد آتی ہے،

وہ باغ سے جھولی بھر بھر کر پھول لایا کرتی تھی!

ان پھولوں کو پھر مندر لے جا کر دیوتا کی نذر کرتی تھی!

اماں کی پوجا کے ان پھولوں میں مجھے اماں کی خوشبو آتی ہے!

مجھے ماں یاد نہیں، مگر، جب میں سونے کے لیے جا کر اپنے بستر پر لیٹتا ہوں،

اور کھڑکی میں سے آسمان کی طرف دیکھتا ہوں،

تو میرے دل میں آتا ہے گویا ماں مجھے تاک رہی ہے!

اور مجھے اپنی گود میں لے کہتی ہے: میرے لال! میری طرف دیکھ!"

اماں اپنی نظر آسمان بھر

میں رکھ گئی ہے!

□□□

(شیشو)

۸۸

امّاں! مجھ سے بھول ہوئی اور میں نے کہہ دیا، سات اٹھے ستائیس۔
بس ماسٹر صاحب بگڑ گئے!
اماں! اُس میلے پر جو پانچ پیسے کا رنگین کھلونا تو نے مجھے لے دیا تھا،
میں نے اپنی کتاب کے نیچے چھپا کر رکھا تھا!
کسی لڑکے نے ماسٹر صاحب سے کہہ دیا، اور وہ سخت بگڑ گئے،
میرا وہ کھلونا لے کر توڑ پھوڑ دور پھینک دیا!
اور کہنے لگے: ”بس دن رات تیرا دھیان کھیل کود میں ہے،
شریر! پڑھنے لکھنے میں تیرا ذرا جی نہیں لگتا!“
امّاں! اب میں کس سے جا کر کہوں؟
ماسٹر صاحب کا کوئی استاد نہیں؟
میں ابھی اس سے جا کر شکایت کروں!
امّاں! کیا ماسٹر صاحب کے گھر میں کوئی کھلونا نہیں؟
کیا وہ کبھی کسی کھلونے سے کھیلتے ہی نہیں؟
نہ دن کو نہ رات کو؟
کبھی کھیلتے ہی نہیں؟

کبھی کسی گلی کوچہ میں اپنے کسی کھلونے سے کھیل کر وقت نہیں ضائع کرتے؟
اگر ان کا وہ کھلونا کوئی غصہ میں آ کر زمین پر دے مارے، تو اماں کہو کیسا ہو؟
ماسٹر صاحب کے دل پر کیسی گزرے؟

□□□
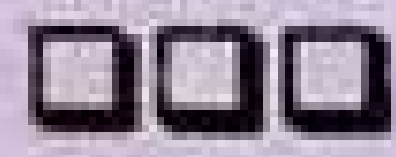
(شیشو)

۸۹

لے میں آج تیرا استاد عبداللہ ہوں!

اے میرے بلّی کے بچہ! پڑھ، میرے چھوٹے سے بلّے پڑھ!

میں اس بلّے کو کبھی چھڑی سے نہیں مارتا،

اور یہ لکڑی جو آپ میرے ہاتھ میں دیکھتے ہیں، بس یونہی رکھی ہے!

بلاّ مدرسہ میں روز دیر سے آتا ہے،

بلّے کا دل پڑھنے لکھنے میں نہیں لگتا، نہ لگے گا!

سبق بھی توجہ سے نہیں سنتا ہے!

دایاں ہاتھ اٹھا کر ابکائیوں پر ابکائیاں لیتا ہے!

کتنا ہی سر پیٹتا ہوں کہ بلّے! کان دے کر سن!

لیکن اس کا دھیان تو رات دن کھیل میں ہے، کھیل دن رات کھیل، دوسرا کام ہی نہیں!

پڑھنے کے لیے ہزار بہانے کرتا ہے!

میں اسے کہتا ہوں: ''میرے بلّے! پڑھ، الف، بے، جیم، نون!''

وہ کہتا ہے! ''میوں، میوں، میوں!''

بغدادی قاعدہ کا پہلا صفحہ کھول اس کی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہوں!

لاکھ کوشش کرتا ہوں کہ کچھ تو سمجھے—

ایسا نہ کیجو کہ کوئی چیز کبھی چرا کر ہڑپ کر جاؤ!

ایک بھلے باتمیز لڑکے کی طرح بن!

لیکن جو نصیحت بھی اسے کرتا ہوں، اکارت جاتی ہے!

اس کان سنی اُس کان اڑا دی!

مچھلی جو دیکھ پائے، تو پھر کیا ہے، سب کچھ بھول گیا!

پڑھنا لکھنا طاق پر!

چڑیا جو نظر آ گئی، کتاب چھوڑ جھپاک سے اس کے پیچھے!

میں اسے پڑھاتا ہوں، ''الف، بے، جیم، نون!''

وہ بکتا ہے: ''میوں، میوں، میوں!''

ہزار دفعہ میں نے اسے سمجھایا ہے کہ پڑھنے کے وقت پڑھا کر، اور کھیل کے وقت کھیلا کر!

سبق پڑھتے وقت ایک سمجھ دار لڑکے کی طرح ادب سے خاموش بیٹھا کر!

لیکن شریر اور شیطان لڑکوں کی طرح آنکھ کنیا کر یوں تاکتا ہے!

کوئی کہے جو کچھ میں نے کہا ہے سب سمجھتا ہے!

ایلو! لپک کر وہ گیا، اب کوئی کیا جانے گیا کدھر!

میں اُس سے کہتا ہوں: ''پڑھ، الف بے، جیم، نون!''

وہ کہتا ہے! ''میوں، میوں، میوں!''

□□□

(شیشو)

۹۰

امّاں! یوں فکر مندسی کیوں بیٹھی ہو؟
بچہ کو گود میں کیوں نہیں لیتی؟
پاؤں پھیلا کے یوں کونے میں بیٹھی اپنے دل میں کیا سوچ رہی ہو؟
تو نے اپنے بالوں کو ابھی تک نہیں باندھا،
مینہ کی بوندیں تیرے سر پر پڑ رہی ہیں، بال سب بھیگ رہے ہیں!
کھڑکی سے باہر کیا دیکھ رہی ہو؟
زمین بھیگ رہی ہے اور تیری ساڑی سے مٹی لگ رہی ہے!
چار بجے کا گھنٹہ بج گیا،
بڑا بھائی اب مدرسہ سے آ رہا ہوگا، بھول گئی ہو کیا؟
یوں فکر مندسی کیوں بیٹھی ہو؟
ابّا جان کی چٹھی نہیں آئی؟
ڈاکیہ تو ہر کسی کی چٹھی دیوڑھی میں پھینک چلا گیا ہے!
ابّا جان کی چٹھی وہ ہر روز آ کر کیوں نہیں دے جاتا؟
اپنے پڑھنے کے لیے تھیلے میں ڈال اپنے گھر لے جاتا ہے،
یہ مجھ سے اور برداشت نہیں ہو سکتا!
امّاں! سن، یوں ہر وقت غمناک ہو کر نہ بیٹھا کر!

کل، جب لوگ سودا خریدنے بازار جائیں گے تو ماما سے کہنا کہ قلم کاغذ لیتی آئے!
خود دیکھ لینا جو ایک غلطی بھی کر جاؤں!
الف سے لے کر، طوے، جیم، میم، دال تک، موٹے موٹے حرفوں میں،
ابا جان کی چھٹی میں خود لکھ کر تجھے پہنچا دوں گا!
اماں ہنستی کیوں ہو؟
سمجھتی ہو میں ابا جان کی طرح خط نہ لکھ سکوں گا؟
ذرا ٹھہر! جب لکھ چکوں تو دیکھ لینا!
اور جب چٹھی میں نے لکھ لی، تو سمجھتی ہوگی کہ جا کر ڈاکیہ کے تھیلے میں ڈال دوں گا؟
جو کام خود ابا جان باوجود اتنی عقلمندی کے کیا کرتے ہیں!
نہیں، میں یہ بے وقوفی کا کام نہیں کروں گا!
چٹھی تیرے سامنے لا، تجھے پڑھ کر سناؤں گا،
اور پھر تیرے ہاتھ میں دے دوں گا!
اس وجہ سے کہ انھیں جو کبھی اچھی سی چٹھی مل جاتی ہے تو پھر اُسے دیتے نہیں!

□□□

(شیشو)

۹۱

میرے لال! تونے مٹی مل کر اپنے جسم کی کیا حالت بنا رکھی ہے؟
اور یہ پتی ہاتھ میں لے کر تو کتنا خوش ہے!
گھر کے کونے میں یہ پتی لیے تو اپنے کھیل میں مگن ہے!
تجھے اس حالت میں دیکھ کر مجھے ہنسی آتی ہے!
میں اپنے کام میں مصروف ہوں،
روزانہ خرچ اخراجات کا حساب ملا رہی ہوں—
رقمیں بڑھتی چلی جاتی ہیں،
میرا وقت یوں حساب کرتے کٹ جاتا ہے!
تو اپنے دل میں سوچ رہا ہوگا کہ اماں کا یہ حساب لکھنے کا کھیل بھی کیا کھیل ہے!
یوں تو وقت ہی ضائع ہوتا ہوگا!
میرے لال! میں نے بھی اس دنیا کی خاک میں سے ایک مٹی کا ڈھیلا اٹھالیا ہے،
اسی سے کھیلتی ہوں! دیکھیں یہ کھیل ہمیں کہاں پہنچائے؟
اور وہ کھلونا جس کی ہمیں آرزو ہے کب ہاتھ آئے؟
ہم اسی فکر میں ہیں— سونے چاندی کے کھلونوں کی ہمیں آرزو ہے!
ہم ایسی ہی چیزیں جمع کر رہے ہیں!
تجھے جو کچھ سامنے پڑا مل جائے تو اسی سے اپنے کھیل کا سامان پیدا کر لیتا ہے!

ہم جس چیز کی تمنا کیے بیٹھے ہیں اور نہیں ملتی،
ہم اُسی کی امید میں زندگی بسر کر رہے ہیں—
جس چیز کا ملنا محال ہے، ہم اسی کی تلاش میں ہیں!

❑❑❑

(شیشو)

۹۲

میرے لال! روتے کیوں ہو؟ کسی نے تجھے کچھ کہا ہے؟

جب تو لکھنے بیٹھتا ہے اور روشنائی سے ہاتھ منہ سیاہ کر لیتا ہے،

تو لوگ تجھے غلیظ کہہ کر برا بھلا کہتے ہیں؟

افسوس، صد افسوس! یہ تو ہرگز مناسب نہیں کہ تجھے ایسی بات کہا جائے!

جب چودھویں رات کا چاند گہنا جاتا ہے تو کسی نے کبھی اُسے غلیظ کہا ہے!

میرے لال! تجھے لوگ غلیظ کہتے ہیں، میں دیکھتی ہوں کہ انھیں تجھ سے محبت نہیں!

کھیل کود میں کپڑوں کے چیتھڑے اڑا کر تو گھر لوٹتا ہے،

تو لوگ تجھے کہتے ہیں کہ تو شریر ہے!

افسوس، صد افسوس! یہ تو ہرگز مناسب نہیں کہ تجھے شریر کہا جائے!

صبح کی روشنی جب بادلوں کے ٹکڑوں سے چھن چھن کر زمین پر گرتی ہے،

تب کبھی کسی نے اسے شریر نہیں کہا!

یہ لوگ تجھ سے جو کچھ بھی کہیں تو کان نہ دیا کر!

ہر روز تیری بدنامی بڑھتی چلی جا رہی ہے!

تجھے میٹھا بہت بھاتا ہے!

اسی لیے گھر کے اور باہر کے لوگ تجھے مٹھائی کا لالچی کہتے ہیں!

افسوس، صد افسوس! یہ تو ہرگز مناسب نہیں کہ تجھے لالچی کہا جائے!
اگر یہ سچ ہے کہ تو میٹھے کا لالچی ہے،
تو وہ کیا ہوں گے جو تجھے چاہتے ہیں؟

□□□

(شیشو)

۹۳

آنکھوں سے آنکھیں ملی ہیں اور دل سے دل!
ہم دونوں کی زندگی کا افسانہ صرف یہی کچھ ہے!
بہار کی چاندنی رات پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھی ہے!
میری بانسری میرے سامنے پڑی ہے،
اور تیرا دامن پھولوں سے بھرا ہے!
واہ! یہ ہمارا عشق کیا سادہ اور آسان ہے!
تیرا یہ سرخ لباس میری آنکھوں میں خمار پیدا کرتا ہے!
پھولوں کا وہ ہار جو تو نے گوندھا تھا، میرے گلے میں ہے!
کچھ تو نے مجھے دیا ہے اور کچھ مجھ سے چھپا رکھا ہے،
کچھ ظاہر ہے اور کچھ پنہاں!
کچھ مسکراہٹ ہے اور کچھ حیا!
اس طرح ایک دوسرے کے مقصد کو سمجھنا،
واہ! یہ عشق ہمارا کیا سادہ اور آسان ہے!
ہمارے اس وصل کی بہار میں کسی نہایت ہی عجیب راز کا انکشاف نہیں!
اس راز میں کوئی حقیقت ایسی نہیں جو فہم و ادراک سے بالا ہو،
نہایت ہی گہری اور عظیم الشان ہو!

ہمارے اس عشق کے پردہ میں کوئی چیز سایہ کی طرح پنہاں نہیں!
صرف یہ بات ہے کہ ہم دونوں آنکھوں سے آنکھیں ملائے ہوئے ہیں!
ہمارے دل میں کسی چیز کی تلاش نہیں!
واہ! اس موسم بہار میں یہ ہمارا وصال کیا سادہ اور آسان ہے!
باتوں کی تہہ میں ہمیں کسی راز کی تلاش نہیں،
آسمان کی طرف منہ اٹھائے، دست بدعا، ہم کسی انتہائی آرزو کے خواستگار نہیں!
جو کچھ ہم دیتے ہیں اور جو کچھ ہم لیتے ہیں، اس سے زیادہ کی جستجو نہیں رکھتے!
جن نعمتوں کو ہم نے اپنے سینوں سے لگا رکھا ہے، ان پر ہمیشہ کے قبضہ کی بھی جدوجہد نہیں!

واہ! بہار میں یہ ہمارا وصال کیا آسان اور سادہ ہے!
سنتے تھے کہ عشق کے سمندر کا ساحل نہیں، وہ بحر بیکراں ہے!
وہ کسی جہت کا پابند نہیں!
سنتے تھے کہ عشق میں وصال کی پیاس کبھی بجھتی نہیں،
دیدار کی بھوک کا کوئی چارہ نہیں،
اور یہ کہ عشق کے ساز کے تار نغمہ کے شور سے ٹوٹ جاتے ہیں،
لوگ کہتے تھے کہ کوئے یار کی راہ بڑی پیچ در پیچ، اور دشوار گزار ہے—
مگر ہمارا عشق کیا آسان ہے، کیا سادہ ہے!

□□□

۹۴

اے حسین! کہاں؟ کہاں؟ کہاں تک مجھے یوں کشاں کشاں لے جائے گا؟
مجھے بتا، وہ گھاٹ کہاں ہے جہاں تیری سنہری کشتی آن کر ٹھہرے گی؟
اے نرالے! جب میں تجھ سے پوچھتا ہوں،
تو جواب میں فقط مسکرا دیتا ہے!
تیرے دل میں کیا ہے، مجھ پر نہیں کھلتا!
تو خاموش اپنی انگلی سے اشارہ کر دیتا ہے اور بس—
یہ بحر بیکراں بیتاب ہو کر متلاطم ہوتا ہے، بپھرتا ہوا اٹھ کر ناچتا ہے!
سورج گھوم کر افق مغرب میں جا ڈوبتا ہے!
ہاں، وہاں وہ کیا ہے؟
میں کسی کی جستجو میں ہوں؟
مجھے بتا، اے نامعلوم! میں تجھ سے پوچھتا ہوں مجھے بتا،
وہاں افق مغرب پر اترتی ہوئی شام کے کنارہ وہ چتا کیسی جل رہی ہے؟
اس کے نیچے آتش سیال کا دریا بہہ رہا ہے، گویا آسمان کا دل خون ہو کر بہہ گیا ہے!
آسمان کی آنکھوں سے گویا خونیں آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہے!
اے حسین! ممکن ہے ان نغمہ سرا موجوں کے پار تو خود ہی بیٹھا ہو،
شاید اس پہاڑ کے دامن پر کہ جس کی چوٹی پر آسمان بوسہ دیے ہے تو خاموش بیٹھا

مسکرا رہا ہے!

ساحل پر موجوں نے شور و غل بپا کر رکھا ہے!

موجیں مجھے تاک رہی ہیں:

موجوں نے اپنے اندھے جوش تلاطم سے ایک طوفان بپا کر رکھا ہے!

شک اور شبہ تاریک سمندر کی طرح چاروں طرف سے مجھے گھیرے ہے،

جس طرف بھی دیکھتا ہوں کنارہ کہیں نظر نہیں آتا!

میں اس دنیا کی موجوں میں غوطے کھا رہا ہوں،

اور دریا نہ تھمنے والے آنسوؤں کے تیز دھارے کی طرح ناچتا ہوا بہتا چلا جا رہا ہے!

اسی سمندر کی سطح پر دور، وہ سنہری کشتی تیر رہی ہے،

اور مغرب میں ڈوبتے ہوئے آفتاب کی کرنیں اُس پر ناچ رہی ہیں!

اے حسین! کہاں؟ کہاں؟

□□□
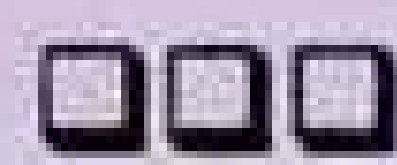
(شونار توری)

۹۵

دن کے سب کام دھندے ہو چکے تھے،
رات سخت اندھیری تھی!
میں نے اپنے دل میں کہا! آج کوئی نہیں آتا!
گاؤں میں جھونپڑیوں کے دروازے سب بند ہیں، مگر کسی نے کہا ہے وہ آج آئیں گے!
ہم نے سنا اور ہنس کر ٹال دیا، آج کوئی نہیں آتا!
صحیح ہے کہ ہم نے سنا گویا کوئی دروازہ پر دستک دے رہا ہے،
سوچا، ہوا ہوگی، یہ جھونکا تھا ہوا کا!
چراغ بجھا دیے، دن کی ماندگی نے غفلت پیدا کی تو سو رہے!
کسی نے یونہی پوچھا، پیغامبر آیا تو؟
ہم نے یہ بھی سنا، مگر ہنس کر ٹال دیا۔ ہوا کا جھونکا تھا جس نے یہ وہم پیدا کیا!
آدھی رات کا وقت ہے، آواز سی سنائی دی—
غنودگی میں ہم نے سمجھا یہ بادلوں کی گرج ہے!
یاد آتا ہے ایسا محسوس ہوا تھا کہ زمین کانپ رہی ہے!
ایک بولا! سنو، گاڑی کی دھمک ہے!
ہم نے سنا اور ہنس کر ٹال دیا، بادلوں کی گرج تھی جس نے یہ وہم پیدا کیا!

تب رات کی خاموش اور تاریک فضا میں گانے کی سی آواز سنائی دی—
گویا کوئی پکار رہا ہے! اٹھو، بیدار ہو، آنے والا آگیا!
دل کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر، سہمے ہوئے ہم ٹھٹھک کر رہ گئے!
کسی نے کہا! میں بادشاہ کی سواری کے آگے آگے اس کا علم لہراتا ہوا دیکھتا ہوں!
ہم سب نے اٹھ کر کہا! اب دیر نہ ہونی چاہیے—
کہاں، کہاں ہے روشنی، مشعل، بھائی روشنی؟
انتظام؟ بندوبست؟ بادشاہ ہمارے یہاں اترے ہیں،
تخت کہاں ہے؟ وائے نصیب! وائے شرم وندامت!
کہاں ہے دربار، دربار کی آرائش؟
کسی نے کان میں کہا! اس وقت یہ واویلا بے سود ہے!
بھائی اٹھ، دروازے کھول دے، اٹھ، بجا، ساز بجا!
گا، اندھیری رات میں آئے ہیں اس اندھیرے گھر کے شہنشاہ!
آسمان کی تاریک فضا میں بادل گرجتے ہیں، بجلی رہ رہ کر چمکتی ہے!
ٹوٹا پھوٹا بستر بچھونا جو کچھ ہے نکال، صحن میں لاکر بچھا دے!
آندھی بارش طوفان کی سواری پر،
دکھ درد کی اندھیری رات کے بادشاہ کی آمد ہے!

□□□

(کھیا)

۹۶

اماں جان! شہزادہ آج ہمارے گھر کے سامنے سے گزرے گا!

تم ہی کہو میں آج گھر کے کام دھندے کو لے کر کیسے رہ سکتی ہوں؟

اماں! مجھے بتا آج میں کیا کروں؟ بال کس طرح سنواروں؟

کس طرز کا لباس پہنوں، کس رنگ کا کس ڈھنگ کا؟

اماں! تمھیں کیا ہوا؟ اس طرح حیران سی کیوں تک رہی ہو؟

کھڑکی کی آڑ میں سے جہاں کھڑی میں دیکھوں گی،

شہزادہ تو میری طرف منہ موڑ کر نہ دیکھے گا!

بس آنکھ جھپکنے کی دیر ہے کہ نظارہ ختم ہوگا،

شہزادے کی سواری نکل جائے گی۔

صرف بانسری کی آواز دور سے آتی سنائی دے گی!

جب بھی، اماں! بادشاہ کا لال آج ہمارے گھر کے سامنے سے گزرے گا!

صرف اسی ایک لمحہ کے لیے میں کس طرح اپنے آپ کو سنوارے بغیر رہ سکتی ہوں؟

اماں! شہزادے کی سواری ہمارے گھر کے دروازے کے سامنے سے نکل گئی!

اس کی اس زریں سواری پر صبح کی روشنی کی رنگین کرنیں کس طرح نثار ہو رہی تھیں!

واہ واواہ!

اماں! صرف ایک لمحہ بھر کے لیے میں نے گھونگھٹ منہ پر سے اٹھا کر شہزادے کو دیکھ

لیا!

موتیوں کا ہار گلے سے توڑ اس کی راہ میں پھینک دیا!

اماں! تمھیں کیا ہوا؟ اس طرح حیران سی کیوں تک رہی ہو؟

میرے ہار کو اس نے زمین پر سے اٹھایا نہیں،

وہ تو اس کی رتھ کے پہیے کے نیچے دب کر پس گیا!

ہمارے دروازہ کے سامنے راستہ کی دھول میں پسے موتیوں کی ایک لکیر سی پڑی رہ گئی ہے!

میں نے شہزادے پر کیا نثار کیا اس کی خبر کسی کو نہیں—

میرا پیش کش تو پس کر خاک میں مل گیا!

جب بھی، اماں! بادشاہ کا لال ہمارے گھر کے دروازے کے سامنے سے گزرا ہے!

تم ہی کہو میں اپنے گلے کا ہار نثار کیے بغیر کیسے رہ سکتی تھی؟

□□□

(کھیا)

۹۷

قیدی! ان زنجیروں میں تجھے کس نے جکڑ کر رکھ دیا؟
میرے آقا نے مجھے ان فولادی زنجیروں میں باندھ دیا ہے!
میرے دل کی آرزو تھی کہ عزت و آبرو میں سب سے بازی لے جاؤں،
شان و شوکت میں میرے مقابلہ کا کوئی نہ رہے،
اور وہ خراج معبودیت جو میرے آقا کا حق تھا، میں نے مار لیا!
تب یہ ہوا کہ بدمستی نے آکر مجھے گھیر لیا،
اور اس تخت پر چڑھ بیٹھنے سے نہ چوکا جو میرے آقا کا تخت تھا!
غفلت کا پردہ جو اٹھا تو دیکھتا ہوں کہ اپنے ہی خزانہ میں قید ہوں!

قیدی! یہ فولادی زنجیر کس نے بنائی؟
یہ زنجیر؟ یہ زنجیر میں نے اپنا خون پسینہ کی راہ بہا کر تیار کی تھی!
خیال یہ تھا کہ اپنی قوت و ثروت کے بل پر اس دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں باندھ
اپنے قابو میں لاؤں!
میں آزاد رہوں، دنیا میری غلامی میں رہے!
اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے میں نے دن رات سخت محنت کی،
کتنی ہی آگ کی بھٹیاں صرف ہوئیں،

اور کیا کیا غضب کی چوٹیں! پیٹ پیٹ کر کس مشقت سے اسے بنایا کچھ اندازہ ہے؟

جب یہ سنگین زنجیر تیار ہوگئی تو دیکھتا ہوں کہ میرے ہی پاؤں میں آویزاں ہے!

□□□

(کھیا)

۹۸

میرے محبوب! پھولوں کی طرح تیرے نغموں کے پھول کھلتے ہیں!

یہ نغمے تیرا کرم ہیں! یہ محض تیرا لطف ہیں!

میں تیرے نغموں کے یہ پھول کھلتے دیکھ کر سرور کی لہروں میں اچھلتا ہوا بہہ جاتا ہوں!

میں ان پھولوں کو اپنا سمجھ کر تیری نذر کرتا ہوں!

اور تو مسکراتے ہوئے انھیں قبول کر لیتا ہے!

یہ مجھ پر تیرا بڑا احسان ہے!

پھر جب عبادت کا وقت ہو چکے اور پھول مرجھا کر زمین پر گر جائیں،

تو کسی خسارہ کا اندیشہ نہیں!

اس عالم میں تیری عبادت کی لوٹ مچی ہے!

میری اس مختصر سی زندگی میں میرے نغمے بھی میرے پھول ہیں،

اور میں انھیں زندگی پر نثار کرتا ہوں!

میرے محبوب! تیرے نغموں کے پھول کھلتے ہیں!

یہ تیرا کرم ہے! یہ محض تیرا لطف ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۹۹

تم میں سے کوئی بھی پھول کِھلا نہ سکے گا!
خواہ کتنی ہی باتیں بناؤ اور کچھ بھی کرو
اسے پکڑ کر اوپر کھینچو، تانو،
رات دن خواہ کتنے ہی جتن کرو،
اس کی جڑوں کو پیٹو، نہ سکو گے کہ پھول کھلا سکو!
کتنا ہی تم اسے دیکھو بھالو، یہی کر سکتے ہو کہ اُسے پژمردہ کر ڈالو!
اس کی پنکھڑی پنکھڑی نوچ سکتے ہو نوچ کر خاک میں ملا سکتے ہو!
ہزار جدوجہد کے بعد اگر غنچہ نے منہ کھول دیا—
اس میں رنگ نہ ہوگا، بو نہ ہوگی، نہ سکو گے کہ پھول کھلا سکو!
اور وہ جو پھول کھلاتا ہے، کس سادگی سے اور آسانی سے کھلاتا ہے!
اس کی ایک نگاہ کی دیر ہے، اس کی آنکھ سے ایک شعاع کی دیر ہے—
کہ پھول میں زندگی کی تان سرایت کر جاتی ہے!
اُس کے نفس کے چھونے کی دیر ہے کہ پھول گویا پرواز کرنا چاہتا ہے!
پنکھڑیوں کے پر کھل جاتے ہیں، پھول ہوا میں پر تول دیتا ہے!
پھول کا رنگ ہماری زندگی کی بے قراری کی ایک تصویر ہے!
اور اس کی خوشبو اڑنا چاہتی ہے، یہ کسی کی متلاشی ہے!

□□□

(کھیا)

۱۰۰

میں دیوانوں کی طرح جنگلوں میں سرگشتہ پھر رہا ہوں!
اس ہرن کی طرح سرگرداں ہوں جو اپنے ہی نافہ کی خوشبو سے مست ہوکر دیوانہ وار چوکڑیاں بھر رہا ہو!
بہار کی راتوں میں نسیم کے جھونکوں سے مست ہوکر نہ معلوم کس طرف کو نکل جاتا ہوں!
لیکن ہر وہ چیز جس کی آرزو کرتا ہوں دھوکا ثابت ہوتی ہے، سراب ہوتی ہے!
میرے دل کی جو آرزو ہے، اسے میں ان ہاتھوں سے پکڑ نہیں سکتا!
میں نے ناچار اپنے دل کو الوداع کہا!
میری تمنائیں سراب کی طرح ہیں!
سدا ایک جگہ سے دوسری جگہ گردش میں ہیں!
میں چاہتا ہوں اپنی تمناؤں کو سینہ سے لگائے رکھوں!
لیکن جب دیکھتا ہوں انھیں اپنی آغوش میں نہیں پاتا!
ہر چیز جس کی میں آرزو کرتا ہوں سراب ثابت ہوتی ہے!
میری بانسری کی آرزو یہ ہے کہ نغموں سے انھیں موہ کر پھانس لے!
میری حالت اس دیوانے کی سی ہے، جو مطلوب کو آغوش میں لیے—

اپنے گانے میں اس کا متلاشی ہو، لیکن اسے ڈھونڈے نہ پائے!
ہر وہ چیز جس کی میں آرزو کرتا ہوں سراب نکلتی ہے،
جو کچھ میں چاہتا ہوں نہیں پاتا!

□□□

(آتشِ رگ)

۱۰۱
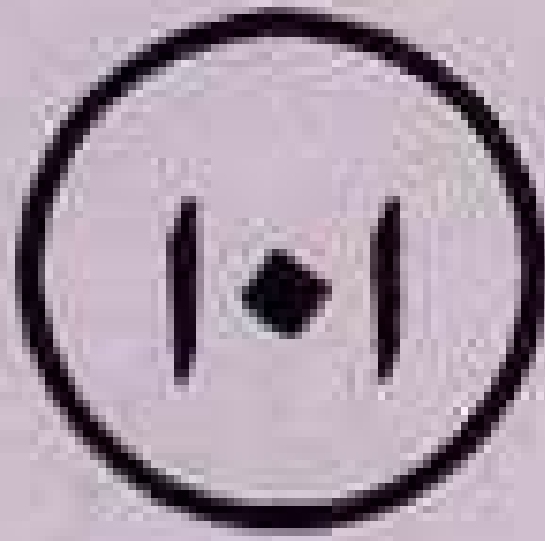
دل میں بسنے والے کی ہنسی اور اس کے رونے کی پوشیدہ آواز سننے کے لیے، میں
اپنے دل کی اندھیری گہرائیوں کے دروازہ پر کان لگائے رہتا ہوں!
اُس عالم میں بھنورنے بھی کنول کی تلاش چھوڑ دی ہے،
اور وہاں وہ اس کنول کا متلاشی ہے جو نیلے آسمان میں کھلتا ہے!
ناممکن کا متمنی ہے!
اُس عالم میں نہ معلوم وہ کون سا پرندہ ہے جو رات کی تاریک خاموشی میں اپنے
ساتھی کے فراق میں اکیلا ہی گاتا ہے!
وہ کون ہے؟ کسے معلوم ہے وہ کون ہے!
ہاں، کچھ تھوڑی بہت جھلک اس کی کبھی کبھی میں پاتا ہوں،
اور تھوڑا بہت اسے عقل اور استدلال کے زور بھی سمجھ سکتا ہوں،
اور کچھ وہم وقیاس سے باہر ہے!
تم ہی کہو، کبھی میرے نغمہ کے پردے میں تمھیں اس کا پیغام سنائی دیا ہے؟
میں سمجھتا ہوں وہ میرے گانے میں اپنے آپ کو چھپا کر مجھے خود اپنا کلام سناتا ہے!

□□□

(پرو باہی نی)

۱۰۲

بھائی! خبر ہے تمھیں کچھ بہشت کہاں ہے؟
اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، پتہ نہیں، نشان نہیں!
اس بہشت کا نہ آغاز ہے نہ اختتام! نہ اس کا کوئی مقام ہے نہ جہت،
وہاں دن نہیں رات نہیں!
البتہ میں نے اس بہشت کے خلا کی بہت سی خاک چھانی ہے!
وہ نیستی سے آباد ایک فانوس خیالی ہے!
ہاں، یہ معلوم نہیں کہ یہ کے زمانوں کے اعمال صالحہ کی جزا میں ہے کہ میں اس زمین
پر آدم خاکی کی صورت میں پیدا ہوا ہوں!
اور اصل بہشت میرے تن بدن کا احسان مند ہے!
میرے غیر فانی عشق، میرے سینے کی جاودانی تپش میں بہشت موجزن ہے!
میرے حسن میری شرم، میرے ناز و ادا، میرے درد و غم میری خوشی میں،
میری زندگی اور موت کے رنگین کھیل میں بہشت زندہ ہے!
میری زندگی کے نت نئے رنگوں میں بہشت کی ترنگیں ہیں!
میرے نغموں میں بہشت کی صدا ہمنوا ہو کر گونجتی ہے!
اور یہ میرا دل ہے جس میں بہشت نے اپنا مقام پالیا ہے!
جبھی تو بہشت آج اپنی آسمان بھری محبت کی نگاہوں سے مجھے یوں تاک رہا ہے!

جبھی تو آج ہر طرف سے خوشی کے ترانوں کی صدائیں آرہی ہیں!
سمندروں کی موجوں میں میری فتح کا ڈنکا بج رہا ہے!
جبھی آج پھول کھلے ہیں!
چشمہ کے کنارے پتوں میں خوشی سے کھلبلی سی پڑ گئی ہے!
مادر زمین کی گود میں بہشت نے جنم لیا ہے!
یہی خبر آج ہوا فرط مسرت سے چاروں طرف دیوانہ وار اڑائے پھرتی ہے!

□□□
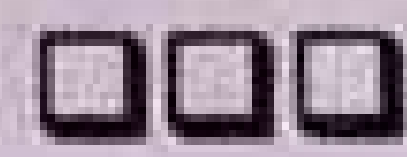
(بولاکا)

۱۰۳

یہ ان گنت زمانوں کی ریاضت شاقہ کا نتیجہ ہے کہ —
یہ نقش سرور، یہ انبساط محض کی تصویر — گلاب، اس زمین پر آ کر کھلا!
زمانوں سے یہ عالم غیب کے دامن تلے پوشیدہ تھا!
اسی طرح میرا وہ خواب!
نہ معلوم کس دور دراز زمانہ کے کس گلشن بہار کے کس گوشہ میں،
ایک کلی کے منہ پر مسکراہٹ سی تھی، اب آئی کہ اب آئی!
وہ مسکراہٹ آج پیدا ہوئی ہے!
میری آرزو اسی طرح میرے دل کی گہرائیوں میں زمانوں سے پوشیدہ تھی!

□□□

(بولاکا)

۱۰۴

میرا اندھیرا ہی بھلا ہے!
اپنے آپ کو روشنی کے حوالہ تو کر سکے گا!
روشنی کا حریص دیکھو نور کو کس طمع سے سمیٹتا ہے—
بس یہی طمع کا دھندلکا تباہ کن ہے!
بچہ ماں کی گود میں اطمینان سے دودھ پیتا ہے،
لیکن مغرور عقلمند تیری بارگاہ کے دروازہ پر روک دیا جاتا ہے!
تیری راہ اپنا راستہ خود دکھاتی ہے!
پروردگار! میں تیری اس راہ پر سیدھا چلوں گا!
اور وہ جو راستہ بتانے کے لیے آن جمع ہوئے ہیں—
وہ تیری راہ میں سنگ راہ ہیں!

□□□

(پروباہی نی)

۱۰۵

بالآخر اس نے ہمیں ناکام ہونے والی جماعت میں لا کر کھڑا کر دیا!
لیکن جہاں تک ہمارے یقین کا تعلق ہے، ہمیں معلوم ہے، ہم ہارنے کے نہیں!
اگر تو چاہے ہمیں شکست دے، بہتر، یہ گروہ شکست کھانے کے لیے تیار کھڑا ہے!
اگر تیرا مقصد یہی ہے کہ ہم تیرے کھیل میں صرف شکست کی مہم انجام دیں—
مات ہو جائیں، تو بہت خوب، یونہی سہی، لیکن تیرا کھیل چھوڑنے کے نہیں!
کوئی گرتا ہے کوئی اٹھتا ہے، کوئی جیتا ہے کوئی مرتا ہے!
ہم سب کے سب موت کے گھاٹ اتر کر عدم میں جا بسیں گے!
جب تو نے ہمیں شکست کھانے والے گروہ میں لا کر کھڑا کر دیا تو ہم ہار ہی کا کھیل کھیلیں گے!
البتہ کچھ لگائے بغیر کھیلنا بے سود ہے!
ہم دولت لٹا دیں گے!
تن من دھن سے کچھ لگا دیں گے!
تیری پکار بے پناہ ہے!
ہمارے خرمن ہستی کے لیے خندہ برق ہے!
لیکن پرواہ کسے ہے! لٹ جانے دے اگر سبھی کچھ جاتا ہے، جانے دے!
آخری کوڑی تک ہم بد کے چھوڑیں گے!

اور اس کے بعد کسی جنگل کے پوشیدہ گوشہ میں یہ تیری شکست خوردہ جماعت،
اس دنیا میں نام ونشان چھوڑے بغیر گم ہو جائے گی!
لیکن ہاں، یہ شکست فیصلہ کن شکست نہیں، کھیل اس کے بعد بھی باقی ہے!
تو جیت گیا، اس میں کسی کو شبہ نہ رہا، لیکن —
ہم شکست ہی کی ریاضت میں تجھے ڈھونڈتے ہیں!
نقصان اور خسارہ کی بے پناہ تلوار ہماری زنجیروں کی کڑیوں کو کاٹتی چلی جاتی ہے!
کون جیتا؟
اس بات کا کسی کو وہم وگمان بھی تھا؟
مات!

□□□
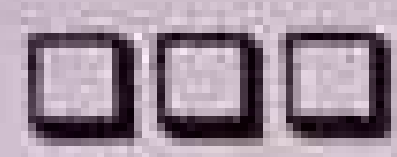
(کھیا)

۱۰۶

وہ آئے گا!

میں اسی امید پر بیٹھی ہوں!

تم سنتے نہیں یہ آواز کیسی ہے؟ نغمۂ سوزش ہے! کوئی گا رہا ہے!

سدا سے گا رہا ہے: وہ آ رہا ہے! آ رہا ہے!

نغمہ کی تان کی صورت، سیلاب کی روانی میں آ رہا ہے!

اور یہ آواز اس پار سے کہاں سے آ رہی ہے؟

یہ بانسری کی تان ہے—

یہی تان ہماری رہنما ہے، دلیل راہ ہے، مقصد کا سراغ اسی تان کے نقش قدم پر چلنے سے ملے گا!

دیکھو، جنگلوں میں پھول کھلے ہیں!

اشاروں سے صاف بتا رہے ہیں، وہ آ رہا ہے!

میں اسی امید پر بیٹھی ہوں!

نہیں، وہ نہیں آیا، ابھی تک نہیں آیا!

اس روشنی اور تاریکی کے عالم میں، ہائے! وہ صدا جو کانوں میں آئی تھی،

وہ کیا محض خواب تھا؟ دھوکا تھا؟

افسوس! وقت گزرتا چلا جاتا!

میں دل کی کھیل کے انتظار میں ہوں، کھیل کا سامان لیے منتظر بیٹھی ہوں!

میرے اس سامان میں کچھ بھلا ہے اور کچھ برا، کچھ سیاہ بے رنگ اور کچھ سفید اور رنگین!

کھیل کا ساتھی میرے پاس نہیں!

نہیں، وہ نہیں آیا، ابھی تک نہیں آیا!

میرا دل کہتا ہے وہ آئے گا اور اس بھری ندی سے میں اس کے ساتھ پار جاؤں گی!

کشتی کھیتی نہیں ہوں، یونہی منتظر بیٹھی ہوں!

اب تو روشنی میں غروب آفتاب کی سرخی آن ملی ہے!

چرواہا اپنے گلّے ریوڑ لیے چلا جا رہا ہے، اور مویشیوں کے پاؤں سے اڑتی ہوئی دھول شام کی تاریکی سے مل کر سیاہ ہو رہی ہے!

میرے خواب نوشیں کے عالم میں رہنے والے آخر تو کہاں ہے؟

تیرے گلے کا ہار جو میں نے تیار کر رکھا ہے، میرے ہاتھوں میں ہے،

اسی کو لیے بیٹھی ہوں!

وہ آیا! وہ آ گیا، واہ اُس کے حسن کا پرتو! واہ کیا دلربا منظر ہے!

رات کی اس مہکتی ہوئی ہلکی ہلکی ہوا میں یہ میرا دل کس طرف کو بہہ چلا؟

ان جنگلوں کی گنگناہٹ میں وہ گویا اپنی وہی خاموش ہنسی ہنس رہا ہے!

یہ اس اَن دیکھے کے آ پہنچنے کی خوشی میں ہے کہ اس جنگل کی فضا خوشی سے مستانہ وار جھومنے لگی ہے!

آہا! میرا دل گواہی دیتا ہے وہ آ گیا!

□□□

۱۰۷

اے مجاہد! اے عاشق! اے دیوانے!
وہ کون سی شمع نور تھی جس کی لو سے تو اپنی امید کی شمع روشن کر کے اس جہاں میں آیا!
اس جہاں میں—
جہاں دکھ درد کی دلگداز چوٹ سے تیری زندگی کے ساز میں جھنکار پر جھنکار پیدا ہوتی ہے!
اس دنیا کے مصائب و آلام میں—
وہ محبوب کہاں ہے، جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر تو یوں خوش ہے!
تجھے تلاش کس کی ہے؟
اپنے سکھ آرام کے خرمن کو آگ دکھا کر تو اس دنیا میں سرگرم پیکار ہے!
وہ کون ہے، جو تجھے یوں رلا دیتا ہے اور تجھے اُس سے عشق ہے؟
اُس کے فکر کے سوا تو دوسرے فکروں سے آزاد ہے!
اُس کے عشق میں تو موت کو بھول آب حیات کے قلزم میں شناور ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۱۰۸

''خوف نہ کھا'' کے پیغام پر ایمان رکھتے ہوئے،
پھٹے بادبانوں میں سینہ کو تان کر،
میں اپنی کشتی کو کھیتا اُس پار لے جاتا ہوں!
میرا رہنما وہی ہے—
جو مجھے ہر حال میں دیکھ رہا ہے!
میرے دل میں کھٹکا نہیں—
میں کشتی کو منجھدار میں چھوڑتا ہوں،
مجھے اُسی پر بھروسہ ہے!
دن ڈھلے پر مجھے یقین ہے یہ کشتی تیرے سہارے پار لگے گی!
وہاں میں اپنے درد دل کے سرخ کنول کو—
تیری رحمت کے قدموں پر رکھ دوں گا!

□□□

(مکت دھارا)

۱۰۹

وہ میرے من میں رہتا ہے!

میں اسی کی تلاش میں ہوں جو میرے من میں رہتا ہے!

اندھیری رات میں ستاروں کی بہار دیکھ،

صبح کو جنگل میں پھولوں کی بھرمار دیکھ—

وہ ان سب میں آپ رہتا ہے!

وہ میری آنکھ کے تارے کی روشنی میں ہے!

جبھی، اس عالمگیر اندھیرے اور اجالے میں—

رنگ روپ کا یہ اودھم ہے، جھمیلا ہے، تلاطم ہے!

وہ میرے ساتھ رہتا ہے!

جبھی، دکھن سے جب بادِ بہار کے جھونکے مجھے آ کر چھوتے ہیں،

سرور کی لہریں میرے رگ و ریشہ میں کوند جاتی ہیں!

یہ اسی کا پیغام ہے—

جو میرے والہانہ گانے کی بے خودانہ تان میں بلند ہوتا ہے!

دکھ درد بھرے صدمے بھی اسی کی بخشش ہیں!

وہ میرے دنیا کے کام دھندے میں اپنے آپ کو چھپا کر مجھے غافل بھی رکھتا ہے!

وہ میرا سدا کا ساتھی ہے!

یہ اسی کا ساتھ ہے کہ میرا ہر لمحہ سرور سے لبریز ہے!
میں اسی کی تلاش میں ہوں جو من میں رہتا ہے—
وہ میرے من میں رہتا ہے!

□□□

(پروباہی نی)

۱۱۰
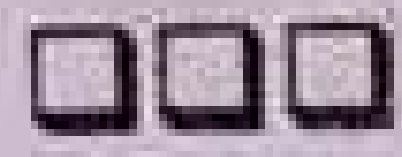
راہ نے مجھے پکارا ہے!

سفر کا جنون میرے سر میں ہے

آفتاب اس وقت مشرق سے طلوع ہو رہا تھا، میری کشتی دریا کے کنارے بندھی تھی!

شبنم پھولوں پر سے خشک ہو کر ابھی اڑی نہیں تھی —

جبکہ مندر سے سنکھ کی گرجتی ہوئی آواز بلند ہوئی!

میرے سر میں کسی طرف کو چل نکلنے کا سودا سما گیا —

راہ نے مجھے پکارا ہے!

اس راہ نے .اس گھر بار کو خیر باد کہہ کر، ہر ملک ہر وطن میں گھوم پھر کر پہنچنے والی راہ نے مجھے پکارا ہے!

صبح کے وقت، دور، وہاں!

واہ! یہ کن خواہشوں اور دل کی امنگوں سے لبریز ایک نغمہ ہے —

کہ دور کوہسار کی رفعت اور میدانوں کی وسعت پر برس رہا ہے!

اس گھر بار کو خیر باد کہہ کر، ہر ملک ہر وطن میں گھوم پھر کر آنے والی راہ پر ہر روز نئے نئے مسافروں کا آنا جانا ہے!

نہ کچھ سوچا نہ تامل کیا، میں کیوں اس راہ پر ہو لیا مجھے کس کی تلاش ہے؟

بس نکل کھڑا ہوا!

یونہی سدا آگے بڑھتے چلے جانے میں ایک سرور ہے!
باہر نکل کر بس دیکھتے چلے جانے کے لیے دل میں کتنا شوق ہے، تجسس ہے، تعجب ہے، جس کی انتہا نہیں!
ہر قدم پر میرے دل میں ایک امنگ اٹھتی ہے!
یہ کس نامعلوم، کس بے نام ونشان کو پانے کے لیے میں اِس زندگی کی صبح میں اس راہ پر نکلا ہوں؟
اس راستہ پر سفر کرتے عمر بہت سی کٹ گئی ہے!
اس راہ پر میں، بہت دور نکل آیا ہوں!
میں سمجھتا تھا اس راہ کے ہر موڑ پر طرح طرح کی نعمتوں اور عجیب عجیب نصیبوں کا سامنا ہوگا!
نئی نئی سریں میرے سننے میں آئیں گی!
ان سب کے بعد بہت سا زمانہ گزر گیا، میں بہت دور چلا آیا!
بہت کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد، اب میری زندگی میں اطمینان پیدا ہوا ہے!
دفعتاً کسی کو پالینے کی امید اب میرے دل میں نہیں!
اب صرف میں ایک بات چاہتا ہوں،
جبھی گھاٹ کے پاس پاس آرہا ہوں!
اب میرا دل صرف اس لیے بے قرار ہے کہ کشتی پر سوار ہو تیرے گھاٹ کی طرف بہتا چلا جاؤں!
یہ میں آج سمجھا ہوں کہ میں کس کی تلاش میں نکلا ہوں!
جبھی، دفعتاً کسی کو پالینے کی امید اب میرے دل میں نہیں!

□□□

(کھیا)

۱۱۱
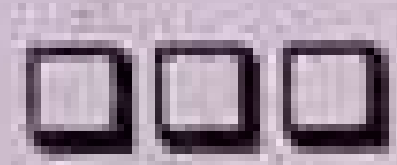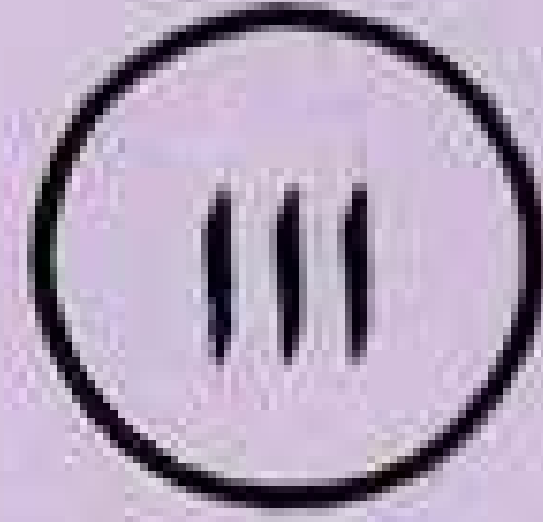
سیلاب فنا!

پھر آیا سیلاب! فنا کا سیلاب پھر آیا!
دردوالم کے دریا میں جوار آیا اور آ کر آنکھوں کی راہ بہہ گیا!
آسمان آج کالی گھٹاؤں سے گھرا ہے، بادلوں کی گرج دور سے سنائی دیتی ہے!
یہ دیوانہ کون ہے —
جو بار بار اس طرح بجلی کی چکا چوند کڑک میں قہقہہ زن ہے؟
پھر آیا وہ خانماں برباد پھر آیا!
آج موت کے خوان یغما پر زندگی کو دعوت ہے!
موقع ہے، اسے غنیمت سمجھ، خداوند قہر وجلال کی خوشنودی حاصل کر لے!
اس کے قدموں پر سب کچھ دھر دے، اور اِدھر اُدھر نہ دیکھ —
اُس سے چھپا کر کسی چیز کو دل میں نہ رکھ، رکھ دے سب کچھ اس کے قدموں پر،
پھر آیا فنا کا سیلاب پھر آیا!
دوست! آج تو اسی بے پناہ سیلاب کی راہ اختیار کر!
گھر میں سب کچھ تاریک وتار ہے — شمع بجھ چکی ہے —
آج تیرے گھر پر طوفان کا دھاوا ہے!

اس نے تیرے گھر کی بنیادیں ہلا دی ہیں!

سن، یہ آواز کیسی ہے؟

اُس نامعلوم عالم بیکراں کی طرف پکار رہے ہیں!

دیکھ! پھر آیا سیلاب! فنا کا سیلاب پھر آیا!

افسوس! صد ہزار افسوس! بس، آنکھوں سے آنسو گرنے نہ پائیں!

خوف سے منہ کو مت چھپا!

اپنے آپ کو چھپائے گا کہاں؟ تو ڈرتا کس لیے ہے؟

دے ٹوٹنے دے، اس دروازے کے پٹ، زنجیر، قفل ٹوٹنے دے،

نکل، باہر آ، راہ پر آ—

اُس راہ پر جس کا سفر رنج وراحت کی منزل کے بعد درپیش ہوتا ہے!

پھر آیا وہ سیلاب خانماں برباد پھر آیا!

اب بھی کیا تیری زبان سے طوفان کی فتح کا نعرہ بلند نہ ہوگا؟

اب بھی تیرے پاؤں کیا اس قیامت خیز تال پر نہ اٹھیں گے؟

انتہا جب فنا ٹھہری تو اپنی تمام قوت و ہمت کے ساتھ، اپنے اس خون سے شرابور لباس میں مسلح ہو کر، فنا کے میدان میں آ!

پھر آیا سیلاب! فنا کا سیلاب پھر آیا!

□□□

(بولاکا)

۱۱۲

راہ کا ساتھی!

اس راہ کی تاریکی میں وہ اَن دیکھا ہر راہرو کا ساتھی ہے!
وہ کیا ہی مبارک صبح تھی جس کی روشنی میں اچانک میں نے اُسے دیکھا!
ان کی آن میں رات صبح ہوگئی!
وہ میری ازلی سعادت کا خزانہ ہے!
اس سعادت کے پانے کے بعد، عرفان کی انتہا نہ رہی!
میں نے دیکھا کہ اسی نامعلوم تاریک راستے کے کنارے،
نامعلوم گھنے جنگلوں میں جانے پہچانے رنگارنگ کے پھول کھلے ہیں!
میں سمجھتا ہوں اُس دن کے ختم ہونے پر جب شام کی تاریکی راستے پر چھا جائے گی،
اور جب پردہ گر جائے گا!
دیکھنے سننے کی قید باقی نہ رہے گی—
تب میں دل ہی دل میں اِسی عرفان کے سرور کو محسوس کروں گا!
تب یہ کھل جائے گا کہ اس روشنی اور تاریکی کے سنگم پر ہم ہمیشہ کی راہ کے مسافر ہیں!

تب بھی کچھ کھو بیٹھنے کے بعد—

کسی ایک کا پالینا میں دل میں محسوس کروں گا—

اسی نامعلوم راستے کی تاریکی میں،

وہ اَن دیکھا ہر راہرو کا ساتھی ہے!

□□□
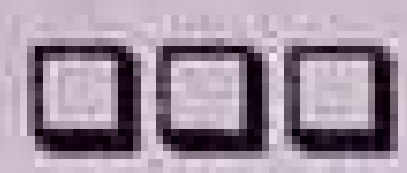
(گیتانجلی)

۱۱۳

بازآیا، میں اپنے آپ کو اپنے ہی سر پر اٹھائے پھرنے سے بازآیا!
اپنے ہی گھر کے دروازے پر دست سوال دراز کرنے سے بازآیا!
یہ بارگراں تیرے قدموں پر پھینک،
میں آزاد ہوتا ہوں!
اب اس بوجھ کا حال کوئی مجھ سے نہ پوچھے —
میں بازآیا، اپنے آپ کو اپنے ہی سر پر اٹھائے پھرنے سے بازآیا!
میری تمنا کی گہری سانس تیری شمع کو چھوتے ہی بجھا دیتی ہے!
میری خواہش سے جو کچھ مجھے دستیاب ہو وہ ناپاک ہے،
جو کچھ تیری رضا سے مجھے نہ ملے میں اسے قبول کرنے سے بازآیا!
بازآیا، میں اپنے آپ کو اپنے ہی سر پر اٹھائے پھرنے سے بازآیا!

□□□

(گیتانجلی)

۱۱۴

اور اب وقت نہیں!
اندھیرا زمین پر آ کر چھا گیا!
اب چلو سکھی گھاٹ پر سے پانی کی ناند بھر لائیں!
بہتے پانی کی کل کل کی آواز مجھے راہ پر بلا رہی ہے!
اب تو اس خاموش راہ پر کوئی آتا جاتا نہیں!
آہا! الفت کے سمندر میں تلاطم آیا—
ہوا بے تاب ہوئی!
یہ معلوم نہیں میں آج لوٹ کر بھی آؤں گی یا نہیں!
کس سے آنکھیں دوچار ہوں گی؟
گھاٹ پر وہی پردیسی بانسری بجا رہا ہے،
اپنی ناؤ پر سوار بیٹھا ہے!
چلو سکھی گھاٹ پر سے پانی کی ناند بھر لائیں!

□□□

(گیتانجلی)

۱۱۵

تیری آنکھوں نے بار بار مجھے گانے کے لیے اشارہ کیا ہے،
پھولوں میں، ستاروں میں، دونوں وقت ملنے پر،
روز روشن میں، رات کی تاریکی میں —
کن کن اشاروں سے مجھے گانے کے لیے کہا ہے!
کیا میں نے کبھی گایا نہیں؟
پھر یہ بے قراری سی میرے دل میں کیا ہے؟
درد کے احساس میں میری باتیں ڈوب ڈوب جاتی ہیں،
حیرت کے عالم میں سُریں کھو جاتی ہیں!
گہری ندی سے گزرتے ہوئے تو نے کشتی پر سے مجھے پکارا ہے!
بارش اور طوفان میں، گنگنے بادلوں کی گرجتی تان میں —
ساون کی اندھیری رات کی بے قرار جھڑیوں میں،
تو نے مجھے موت کی طرف پکارا ہے!
معلوم نہیں میں نے تیری صدا پر لبیک کیوں نہ کہا؟
گھاٹ کے اِس کنارے پر بیٹھا تیری طرف دیکھ رہا ہوں —
اس بیکراں سمندر میں کدھر جاؤں؟

□□□

(پردوباہی نی)

۱۱۶

مجھے موت وحیات کی کشمکش میں چھوڑ کر تو خود دور جا کھڑا ہوا ہے!
کیا اس لیے کہ کشش فراق سے مجھے پھر تو اپنے قریب کھینچ لے گا؟
اندھیرے اور اجالے کے اس پار اُس پار—
میں اپنی کشتی کو کبھی لے جاتا ہوں کبھی لے آتا ہوں!
میں اپنے کھوئے ہوئے آپ کی تلاش میں ہوں—
آنے جانے کے جھولے میں جھولتا ہوں—
درد فراق کی سروں سے تو مجھے بھر دے گا!
کیا اسی لیے مجھے اپنے آپ سے دور رکھتا ہے؟
اب کہ مجھے تو بلا رہا ہے،
کیا وصل کی بانسری کے بجنے کا وقت آ پہنچا؟
مجھے موت کے منہ میں تنہا چھوڑ کر تو خود دور جا کھڑا ہوا ہے!

□□□

(پروباہی نی)

۱۱۷

ایک بہار کے موسم میں گایا ہوا میرا گیت،

دوسری بہار کے بیچوں بیچ نئے نئے پھولوں کے جمگھٹے میں نہ معلوم کس کی تلاش میں راستہ کھو بیٹھا!

حنا نے اُس سے پوچھا: کسی کو پہچانتے بھی ہو؟

اس نے کہا: میری جان پہچان کا کوئی پھول ہے بھی یا نہیں اُسی کی تلاش میں تو راستہ کھو بیٹھا ہوں!

ایک بہار کے دل کی بات دوسری بہار کے کان میں،

آبدیدہ ہو کر پوچھتی ہے!

میری زبان بھی کوئی سمجھتا ہے یا نہیں؟

آسمان نے کہا: کون سمجھتا ہے؟ شاید میں سمجھتا ہوں!

بادِ بہار پھولوں میں جھوم جھوم کر بولی:

شاید میں سمجھتی ہوں! شاید میں سمجھتی ہوں!

□□□

(پروباہی نی)

۱۱۸

مجھ سے ملنے کے لیے تو کب سے آ رہا ہے، چلا آ رہا ہے!

تیرے چاند سورج ستارے—

تجھے میری آنکھوں سے اب چھپا نہیں سکتے!

کئی زمانوں سے، ہر صبح ہر شام تیرا قاصد تیرا پیغام مجھے سنا سنا گیا ہے!

تو مجھ سے ملنے کے لیے کب سے آ رہا ہے!

اے مسافر! آج میرے دل میں ایک سرور ہے کہ بار بار خوشی سے تھرا تھرا اٹھتا ہوں!

یوں محسوس ہوتا ہے گویا اب وقت آ پہنچا ہے!

جبھی آج میرے لیے کوئی کام باقی نہیں!

آج نسیم تیری آمد کی خوشبو سے سرشار ہے!

تو آ رہا ہے، زمانوں سے آ رہا ہے!

□□□

(گیتانجلی)

۱۱۹

تو نے سنی نہیں، سنی نہیں، اُس کے پاؤں کی آہٹ نہیں سنی!
وہ آرہا ہے! آرہا ہے! سدا سے آرہا ہے!
ہر لمحہ، ہر روز و شب، وہ کس زمانہ سے آرہا ہے!
آرہا ہے، آرہا ہے، سدا سے آرہا ہے!
اپنے دل ہی دل میں دیوانوں کی طرح جس قدر گیت بھی میں نے گائے ہیں،
ہر گیت کے سر میں اُس کی آمد کی تان ہے!
وہ آرہا ہے، آرہا ہے، سدا سے آرہا ہے!
کس زمانہ سے، بہار کے دنوں میں، جنگل کی راہ سے ہوتا ہوا آرہا ہے!
زمانوں سے وہ ساون کی جھڑیوں میں آرہا ہے!
دکھ درد میں یہ اُس کے قدموں کی چاپ ہے جو اپنے سینہ میں ہم سنتے ہیں!
ہماری خوشی میں آکر وہ سرور کے پارس سے ہمیں چھو بھی دیتا ہے!
وہ یوں ہی سدا سے آرہا ہے!

□□□

(گیتا نجلی)

۱۲۰

میں سمجھتی ہوں تو لوٹ کر نہ آئے گا!
ہائے! جب بھی تیری راہ دیکھنے کے لیے دیا جلتا ہی کیوں نہ رہے!
میں جانتی ہوں تو اپنے دل میں میری یاد کے پھولوں کی مالا نہ گوندھ رہا ہوگا!
ہائے! جب بھی میرے باغ میں پھول کھلتے ہی کیوں نہ رہیں!
جب بھی میری روح میں تیرے وصال کی پیاس لگی ہی کیوں نہ رہے!
تو راہ گم کیے نہ معلوم کہاں ہے؟
ہائے! پھر بھی میرے گھر کا دروازہ کھلا ہی کیوں نہ رہے!
میری راتیں دکھ بھری ہیں،
پیاسی سریں میرے ساز کو گھیرے ہوئے ہیں!
ہائے! جب بھی تیری یاد میں اسے چھیڑتی ہی کیوں نہ رہوں؟
میں سمجھتی ہوں تو لوٹ کر نہ آئے گا!

□□□

(پردہاہی نی)

Tagore Research and Translation Scheme

Department of Urdu

Jamia Millia Islamia, New Delhi

Patron

Prof. Talat Ahmad

Vice-Chancellor

Jamia Millia Islamia, New Delhi

TRTS Committee

Prof. Wahajuddin Alvi	Head, Dept. of Urdu
Prof. Shahzad Anjum	Coordinator, TRTS
Prof. Khalid Mahmood	Member
Prof. Shehpar Rasool	Member
Dr. Suhail Ahmad Farooqi	Member
Dr. Nadim Ahmad	Member

Kalam-e-Tagore

(An Urdu Translation of Tagor's Selected Poems)

Rabindranath Tagore

Translated by

Prof. M. Ziauddin

Tagore Research and Translation Scheme

Department of Urdu

Jamia Millia Islamia

New Delhi - 110025

KALAM-E-TAGORE

(Urdu Translation of Tagore's Bangla Poems & Songs)

Under the Tagore Research and Translation Scheme
Granted by : Ministry of Culture, Govt. of India

Translated by
Prof. M. Ziauddin

978-93-5073-585-5

DEPARTMENT OF URDU
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Maulana Mohd. Ali Jauhar Marg
New Delhi - 110025

For Free Distribution